ایسی معیوب باتوں کی ظریفانہ انداز میں نشاندہی کی ہے جن کا روزمرہ زندگی میں برابر مشاہدہ کیا جاتا ہے، انھوں نے اس میں سوسائٹی کے مختلف طبقوں کو اپنا موضوع بنایا ہے، جیسے مصنف، شاعر، صحافی، ڈاکٹر، بینک منیجر، انجینیر، میاں بیوی، وزیر اور ان کی بیگم، مالک مکان و کرایہ دار، افسر و ماتحت، چندہ لینے اور دینے والے وغیرہ، ان کے علاوہ تفوق اور سماجی برتری کے خواہشمند، سستی شہرت کے آرزومند، نمود و نمایش پسند لوگوں کے خط و خال بھی نمایاں کئے ہیں، اور وقت کے معاملہ میں بے پروا لوگوں کا خاکہ بھی کھینچا ہے، مصنف کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے مضحک پہلوؤں کا جوڑ واقعات سے ملا دیا ہے، ان کا طنز و مزاح مصنوعی نہ ہونے کے باوجود اپنے اندر افسانے جیسا لطف رکھتا ہے، انداز شائستہ، متین اور ابتذال و رکاکت سے خالی ہے، اس مجموعہ سے مصنف کے احساس و مشاہدہ کی قوت کا اندازہ بھی ہوتا ہے، دراصل انھوں نے موجودہ سماج کی مختلف خامیوں اور کمزوریوں کی ایسے شگفتہ انداز میں لفظی تصویر کھینچی ہے کہ قاری کیف و سرور اور فرحت و انبساط بھی حاصل کرتا ہے اور اسے موجودہ عام اور ہمہ گیر پست ذہنیت اور غیر شریفانہ انداز کی قباحت کا اندازہ بھی ہوتا ہے، شروع میں پاکستان کے مشہور اہل قلم مشفق خواجہ صاحب نے مصنف اور تصنیف کا نہایت ظریفانہ انداز میں تعارف کرایا ہے جو ان کی خوش ذوقی و خوش طبعی کا ثبوت ہے، کتاب کے مصنف کو دل پذیر اردو میں انداز بیان کی شگفتگی کے ساتھ اپنے خیالات کے اظہار کرنے کا جو سلیقہ ہے، امید کہ اس کا صحیح مصرف برابر لیتے رہیں گے، اور جہاں ہیں وہاں کے حلقے میں نمایاں حیثیت حاصل کریںگے، کتاب کا نام موجودہ مذاق کی ترجمانی ضرور کرتا ہے، مگر اس سے کتاب کی نوعیت کا اندازہ نہیں ہوتا، اس سے پہلے کے مزاح نویس اور طنز نگار اپنی تصانیف کے جو نام رکھتے، ان سے ان کے نقش تحریر کا اظہار مطالعہ سے پہلے ہو جایا کرتا تھا۔

"ض"

جلد ۱۳۴ ماہ محرم الحرام ۱۴۰۵ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۸۴ء عدد ۴

مضامین

مقالات

تلخیص و تبصرہ

ایک ضروری اطلاع

کاغذ کی ہوشربا گرانی کی وجہ سے دارالمصنفین کی مطبوعات کی قیمت میں یکم اکتوبر ۸۴ء سے بیس فیصدی کا اضافہ کر دیا گیا ہے، اور معارف کا سالانہ چندہ بھی جنوری ۸۵ء سے ہندوستان کے لیے تیس (۳۰) روپے، اور بیرون ہند کے لیے ساٹھ (۶۰) روپے کر دیا گیا ہے، امید ہے کہ دارالمصنفین اور معارف کے قدردان اس معمولی اضافہ کو بہ طیب خاطر گوارا کریں گے۔

"منیجر"

شذرات

مولانا ابوالحسن علی ندوی کی تاریخ دعوت و عزیمت کی پانچویں جلد اس سال شایع ہوئی ہے، اس کی اشاعت پر اس سلسلۃ الذہب کی تکمیل کا اعلان کیا گیا ہے، گو اہل علم کے ذوق کا مطالبہ ہے کہ یہ ابھی جاری رہتا۔

اس کی پہلی جلد میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ، حضرت حسن بصریؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام غزالیؒ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، نورالدین زنگیؒ، صلاح الدین ایوبیؒ، شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلامؒ، مولانا جلال الدین رومیؒ اور شمس تبریزؒ، دوسری میں امام ابن تیمیہؒ اور ان کے تلامذہ، تیسری میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت خواجہ نظام الدینؒ اور حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ، چوتھی میں حضرت مجدد الف ثانیؒ، اور اس پانچویں میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے حالات اور کارناموں کا ذکر خیر ہے، یہ وہ بزرگان دین و دانش ہیں جن کی شخصیتیں جانی پہچانی ہوئی ہیں، مگر مولانا کے قلم کی ساحری، ان کی تحریر کی شیوا بیانی اور طرز ادا کی شگفتگی سے ان پرانی یادوں میں تازگی کے نئے کنول کھلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، مولانا کی فطری برق طبعی، وہبی شیریں مقالی، خداداد پختہ خیالی اور ولولہ انگیز جوش ایمانی ان کی تصنیفی زندگی کے اجزائے ترکیبی ہیں، جن سے ان کی خوش وضع اور خوش آہنگ تحریریں خود بخود جاندار اور باوقار ہو جاتی ہیں، آج کل ادب و انشاء کی باگ جن ہاتھوں میں ہے، ان کا معیار یہ ہے کہ جو کوئی اچھی ناول نگاری اور افسانہ نویسی کرے، یا شعر و ادب پر اپنی تنقید نگاری کی صحیح یا غلط جولانی طبع دکھائے، یا تفریحی تحریریں لکھ کر لوگوں سے واہ واہ حاصل کرے تو وہی ادیب اور انشاء پرداز ہے، لیکن جو مذہبی، تاریخی اور کلامی رنگ کی تحریروں کے چمن میں اپنے جگر کے خون دے دے کر گل اور بوٹے کھلائے ان کو وہ اپنی بدمذاقی سے ادیب اور انشاء پرداز تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے، ادب و انشاء کا کمال تو یہ ہے کہ خشک موضوع کے خارستان کو شگفتہ تحریروں سے لالہ زار بنا دیا جائے، مباحث کے اغلاق اور اشکال میں دل آویز طرز ادا سے گل و گلزار کی کیفیت پیدا کر دی جائے اور ناظرین محسوس کریں

کہ ان کے خیالات کے ریگستان میں معرفت و بصیرت کا سبزہ زار لہلہا رہا ہے، مولانا ابوالحسن علی ندوی کی تحریروں میں یہ سارے محاسن پائے جاتے ہیں، ابھی اپنی تصنیف دعوت و عزیمت کی چوتھی جلد میں اکبر کے دین الٰہی کی فتنہ انگیزی اس کی مدافعت میں ابوالفضل کے قلم کی گمراہ کن طراری، پھر اس کی مخالفت میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے تجدیدی تب و تاب کی بے چینی اور مسئلۂ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی موشگافی اور نکتہ رسی کی وضاحت جس طرح کی ہے، اس سے ارباب علم لطف اندوز ہو ہی رہے تھے کہ ان کی پانچویں جلد کی علمی نعمتوں کا خوان نعمت سب کے سامنے بچھ گیا، اس کی ابتدا بارہویں صدی ہجری میں عالم اسلام کی سیاست کے ساتھ اس زمانے کے ہندوستان کی تاریخ سے ہوئی ہے، پھر شاہ ولی اللہؒ کے اجداد و والد بزرگوار اور خود ان کے حالات ہیں، اس کے بعد ان کے تجدیدی کارناموں کا ذکر ہے کہ انھوں نے کس طرح اصلاح عقائد پر زور دیا، دعوت الی القرآن کی تلقین کی، حدیث و سنت کی اشاعت و ترویج کی سعی کی، فقہ و حدیث میں تطبیق کی دعوت دی، شریعت اسلامی کی مربوط و مدلل ترجمانی کی، حجۃ اللہ البالغہ کے آئینے میں اسرار و مقاصد کی وضاحت کی، احادیث مقدسہ کو سمجھنے اور سمجھانے کا شوق دلایا، نظام خلافت کی اہمیت کا احساس پیدا کیا، خلفائے راشدین کے احسانات کو تسلیم کرنے کا جذبہ بیدار کیا، بعض حیثیتوں سے قابل توجہ وہ حصہ ہے جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ مغلیہ دور کے احتضار و انتشار میں ان کا قائدانہ کردار کیا رہا، پھر انھوں نے اپنے زمانے کے مختلف طبقات کا احتساب جس طرح کیا ہے، اس کی طرف توجہ دلا کر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ آج بھی مسلمانوں کے لیے مشعل ہدایت ہے، ان کے فرزندان گرامی، خلفائے ذی مرتبت اور نامور معاصرین کے ذکر سے کتاب پر از معلومات ہو گئی ہے، آخر میں ان کی تصنیفات پر مختصر لیکن پرمغز تبصرہ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا سمجھنا آسان نہیں تھا، شاہ ولی اللہؒ کے علمی و تجدیدی کارناموں کا ادراک بھی مشکل تھا، مگر مولانا نے جس طرح حضرت مجدد الف ثانیؒ کو سمجھا کر ان کے نظری و فکری مسائل کو بیسیر التفہیم کر دیا ہے، اسی طرح شاہ ولی اللہؒ کی علمی، دعوتی، اصلاحی اور تجدیدی کوششوں کا احاطہ اس خوبی سے کیا ہے کہ اب ان کو سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی، علامہ شبلیؒ نے اپنی کتاب "علم الکلام" میں لکھا تھا کہ شاہ ولی اللہؒ کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رشد کے کارنامے بھی

مانند پڑ گئے تھے، وہ نکتہ سنجیاں کیا تھیں، ان کی وضاحت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی نکتہ آفریں تحریروں کے ذریعے زیر نظر کتاب میں کی ہے،

اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مورخوں بلکہ سیاست دانوں کے ذوق کا بھی سفرہ بچھ گیا ہے جس پر بیٹھ کر وہ مسلمانوں کے زوال کا تجزیہ کر سکتے ہیں، پھر اس میں شاہ ولی اللہؒ کی تحریروں کی روشنی میں حدیث و فقہ کی تطبیق، اجتہاد و تقلید کے درمیان نقطۂ اعتدال، ایمانیات، عبادات، معاملات، اخلاق، علم الاجتماع، تمدن، سیاست اور احسان کے باہمی ربط و تعلق، مذاہب اربعہ میں جمع و تالیف کی کوشش کے سلسلہ کے جو مباحث ہیں ان میں موجودہ دور کے علماء کیلئے دعوت فکر بھی آگئی ہے، پھر ان تمام مسائل کے ساتھ شاہ ولی اللہؒ نے ارکان دولت، ٹکڑیوں اور ٹولیوں میں بٹ جانے والے مشایخ کی اولادوں، غلط کار عالموں، متقشف واعظوں اور تارک الدنیا زاہدوں وغیرہ کی دکھتی ہوئی رگوں پر جس طرح انگلی رکھی ہے، ان سب کو اس کتاب میں آسان، دلآویز اور شگفتہ انداز میں سمجھایا گیا ہے اور یہی اس کی امتیازی خوبی ہے، امید کہ یہ علمی حلقوں میں شوق سے پڑھی جائے گی، جس کے بعد اس کے ناظرین کے دلوں سے یہ آواز اٹھے گی کہ اردو کے لٹریچر میں ایک بہت اچھی کتاب کا اضافہ ہوا ہے۔

تاریخ دعوت و عزیمت کی گذشتہ چاروں جلدوں کے انگریزی ترجمے بھی شایع ہو چکے ہیں، ان کے مترجم جناب محی الدین احمد صاحب ہیں، جو لکھنؤ کے سکریٹریٹ کے فائلوں میں گم ہونے کے بعد روزانہ اپنے کو مولانا کی کتابوں اور تحریروں میں از سر نو دریافت کر لیتے ہیں ان کو انگریزی میں مولانا کی کتابوں کے ترجمے کرنے میں جو لذت ملتی ہے، وہ شاید ساغر و مینا سے شغل رکھنے والوں کو اپنی چھلکتی اور ابلتی ہوئی مے ارغوانی میں نہ ملتی ہوگی، منشی ذکاء اللہ مرحوم کے فرزند جناب عنایت اللہ دہلوی مرحوم نے انگریزی سے اردو میں ترجمے کرنے میں بڑی ناموری حاصل کی، انھوں نے ترجمے کے فن کو انتہائے کمال تک پہونچا دیا تھا، ان کا بیان تھا کہ جب وہ انگریزی اخبار پڑھتے ہیں تو ان کو انگریزی سطروں کے بجائے ان کے اردو ترجمے نظر آتے ہیں، محی الدین صاحب کا بھی یہ حال ہے کہ وہ مولانا کی کوئی کتاب یا تحریر پڑھتے ہیں تو ان کو اس میں اردو سطروں کے بجائے انگریزی ترجمے نظر آتے ہیں، اس لیے مولانا کی جو کتاب بھی شایع ہوتی ہے، وہ ان کی مہارت تامہ کی وجہ سے فوراً انگریزی میں منتقل ہو جاتی ہے، مولانا کی یہ کتاب جنوری ۱۹۸۴ء میں شایع ہوئی ہے، محی الدین صاحب نے غالباً اس کا انگریزی ترجمہ اب تک کر لیا ہوگا، اس کی اشاعت کے بعد اس کے مطالعہ سے امید ہے کہ ارباب ذوق اسی طرح محظوظ ہوں گے جس طرح کہ مولانا کی اور کتابوں کے انگریزی ترجموں سے پہلے محظوظ ہو چکے ہیں۔

مقالات

مستشرقین اور مُطالعۂ سیرت

از

ڈاکٹر نثار احمد، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی، پاکستان،

مستشرقین کی زیر نظر فہرست دو حصوں میں منقسم ہے، حصہ اول میں اکثر و بیشتر وہ مستشرقین شامل ہیں، جنھوں نے سیرت رسولؐ پر مستقل تصنیف یادگار چھوڑی ہے، یا جو مطالعۂ سیرت کے حوالے سے مشہور و معروف ہیں، اور جن کا مکمل حوالہ بھی مل گیا ہے، دوسرے حصہ میں وہ مستشرقین شامل ہیں، جن کی سیرت پر اگرچہ مستقل تصنیف نہیں ہے، لیکن ان کے مضامین، مقالات اور کتابوں میں سیرت کے کسی ایک پہلو یا چند پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور جن کا پورا حوالہ بھی دستیاب نہیں ہوا، دونوں حصوں میں ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے قائم کی گئی ہے، زمانی تقدم و تاخر کا لحاظ نہیں رکھا گیا،

اس فہرست کی تیاری میں اگرچہ ان تمام کتابوں سے مدد لی گئی ہے، جن کا حوالہ وقتاً فوقتاً تاریخی جائزہ کے سلسلہ میں دیا گیا ہے، تاہم بطور خاص تین کتابوں سے آزادانہ استفادہ کیا گیا ہے، یعنی (۱) العقیقی، نجیب۔ المستشرقون، (۲) الزرکلی، خیر الدین۔ الاعلام، (۳) حمادے۔ محمد دی پروفٹ، اے سلیکٹیڈ ببلیوگرافی۔ یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ وقت اور وسائل کی کمیابی کے سبب یہ ممکن نہ تھا کہ مستشرقین کے ناموں کے ملفظ اور ہجے، وطن ملک اور زبان کی رعایت سے تحقیق کر کے لکھے جاتے، اس سلسلہ میں عام انگریزی مفہوم کو سامنے رکھا گیا ہے، تاہم یہ توقع ہے کہ تحقیق مزید کے ضمن میں یہ سرسری فہرست انشاء اللہ نقطۂ آغاز ثابت ہوگی، اور دوسرے کام کرنے والوں کیلئے ممد و معاون ہوگی،

فہرست مستشرقین حصہ اوّل

۱- آدم — Adams, Isaac — Mohammad and Mohammedanism (Chicago, 1900)

۲- ایڈیسن — Addison, Lencelat — The life and Death of Muhammad, the author of the Turkish religion. (London, 1619

۳- ایڈلر — Addler, Felix.H. — Moyammed (Philladelphia 1901)

۴- اہرن — Ahren, Karl — Mohammad al Religious Stifter (Leipzig 1935)

۵- ایٹن — Aiton, John — The Land of the Messiah, Mahomet, and the Pope (London 1854)

۶- آرنلڈ — Arnold, T.W. — The Preaching of Islam. (London 1896)

۷- آرنلڈ — Arnold, J.M. — Islam; its History, Character and relation to Christianity. (London. 1874)

۸- ارونگ — Irving, Washington — Life of Mahomet (Newyork 1911

۹- اوکلے — Ockley, Simon — History of the Saracens (London 1847)

۱۰- اوکس گان — Oksegon, L. de. — Confutacion del Alooan y Secta Mahometana (Granada. 1555)

۱۱- ایجمین — Eigeman, Jakob — Mohammadmde Profet der Arabieren (Amesterdom. 1898)

۱۲- اوسنر — de. Isner, G.B. — Des effets de tareligion Mohamed (Paris. 1810)

۱۳- اوسبم — Osbom, R.D. — Islam under the Arabs (London 1876)

۱۴- اوزرن — Osztern, S. — Vizlat Muhamad Kuranjanak ethikajabiz (Budapest 1902)

۱۵- اسٹیب — Stubb, H. — An Account of the Rise and Progress of Mahometanism (London. 1911)

۱۶- اپام — Upham, Edward — History of the Ottomon Empire. Preeaded by the life of Muhammad (Hurst. 1826-35)

۱۷- اربتھنوٹ Arbuthnot, F.F (۱) تاریخ العرب و آدابہم۔ (لندن سنہ ۱۸۹۰ء) (۲) ترجمہ روضۃ الصفا فی حیاۃ محمد المصطفیٰ (لندن سنہ ۱۸۹۳ء) معاونت وینا سٹیک

۱۸- اسپرنگر Sprenger, A. Iife of Mohammad. (Allahabad 1851) Das Lesa und die Lehredes Mohammad(1851-1861)

۱۹- اسمتھ Smith, Bosworth Muhammad and Muhammadenism London. 1874 (Reprint-Lahore)

۲۰- بچلات Bachelat, theodore Mahomet at Les Arabes (Rome. 1878)

۲۱- بیکن Bacon, A.S Mohammad and Islam-A comparision with orthodox christianity. (Newyork,x 1911)

۲۲- بیکن ڈارف Beckendorf, H.C. Mohammad und de Seinen. (Leipzig. 1907)

۲۳- بارٹن Barton, theodor. Talks on Mohamed and his followers (London. 1932)

۲۴- بائیل Bayle, Pierre The dictionary historical and critical of Mr. Peter Bayle (Ed) (London. 1734-1735)

۲۵- بیڈویل Bedwell, W. Mohammedin imposturac. (London. 1615)

۲۶- برن فیلڈ Bernfeid, Simon. Muhammad, His Biography and the begining of the Religion of Islam (Warsaw. 1914)

۲۷- انی بیسنٹ Besant, Annie. The Life and Teachings of Muhammed. (Adyar. 1932)

۲۸- بلاشر Blachore, Regis. Le Problems de Mahomet (Paris. 1952)

۲۹- بلام Blom, P. Monammad of Koranen (Hamar 1904)

۳۰- بلائٹ Blytt, Eva. Muhamed Islam Store Profet. Kristiannica. 1911

۳۱- بوڈوین Bowen, George. Life of Mohammed (Bombay 1851

۳۲- برانڈے Brandes. G.E.C. Muhamed Skuespiel. the akter (Obenbava. 1895)

۳۳- بوڈلے Bodley, R.V.C. The Messenger- the life of Mohrmmad (London. 1946)

۳۴- بولین ولیرز Boulain Villiers H.C. (1) Histore des Arabes, Aved, la vie de Mahomet (Amesterdom 1731)

		(ii) Vie de Mahomet-(1730)
۳۵- بری گنی	Brequigny,H.D.	Veber Muhmsmed-(Frankfurt 1791)
۳۶- بریم	Briem,O.E.	Budha,Muhammad,Jesus (London.1938)
۳۷- بروکلمان	Broekelmann,C,	History of the Islamie People(Newyork.1947)English Tr.
۳۸- بروکس	Brooks,Archibald	Islam : A short Study
۳۹- براؤن	Brown,D.A.	The Way of the Prophet An Introduction to Islam (London.1962)
۴۰- براؤن	Brown,G.L.	The Era of Mahomet(London 1856)
۴۱- بکل	Buckle,Henry	The Begger of the Soldier Gautama or Mahomet(London. 1903)
۴۲- بہل	Buhl,F.P.W.	Des leban Muhameds(Leipzig 1930)
۴۳- براؤز	Burrows,Miller	Founders of Great Religion

		Being personal sketches of famous leaders(Newyork.1931)
۴۴- بُش	Bush,George	The Life of Mohammad: Founder of the Religion of Islam and the Empire of the Saracens-(Newyark.1830)
۴۵- باسے	Basset,Rene	قصیدۃ البردۃ۔ بوصیری مع سیرت مصنف، نقد و شرح ۱۸۹۴ء
۴۶- برٹن	Burton	Pilgrimage to Mecca and Medina.(1856)
۴۷- پونی	Ponet,Rudi	Mohammad und der Koran (Stuttzart.1951)
۴۸- پائنی	Payne,P,S.R.	The Holy Sword of the Story of Islam from Muhammad tothe present(London,1961)
۴۹- پیڈیو	Pedio,San Paswal	Contra Los partalistan Mahometanos(Rome.1905--06)
۵۰- پروخش	Prucksch,otto	Uber die Bluctraehe beiden vornlamisschen Arubern und Mahomeds(Leipzig--1899)

۵۱۔ ٹیلر — Taylor.W.C — History of Mohametanism and its sects. (London-1834)

۵۲۔ ٹنسڈال — Tingdall,W.St.C — Sauces of the Quien. (London-1905)

۵۳۔ ٹاؤن سینڈ — Townsend.Med.W. — Mnhammad the Great Arabian (Houston-1912)

۵۴۔ ٹاؤن بی — Toynbeg,A.J. — A study of History(London-1954-61)

۵۵۔ ٹرپے — Trance,E.Von. — Muhammed/(Leipsig.1907)

۵۶۔ ٹروٹر — Trotter,H.J. — studies in Biography. (London-1865)

۵۷۔ ٹرپن — Tuppin,F.R. — Historie de la vie de Mahomet Legislative de i' Arabie, (Paris. 1776--79)

۵۸۔ جبرئیلی — Gabrieli,Francesseo — Muhammad and the Conquests of Islam, (Newyork.1968)

۵۹۔ جیگنیر — Gagnier,J — Vie de Mahomet (Amesterdam 1748)

۶۰۔ جینوے — Genevay,A. — Mohammed(Paris-1838)

۶۱۔ جیورگن — Georgen.E.P. — Mohammed ein Cheracerbild (Berlin.1878)

۶۲۔ جیفری — Jaffery,Arthur — Islam Mohammed and his Religion (Newyork.1958)

۶۳۔ جانسٹن — Johnston,P.Lacy de — Muhemmad and his Power (Newyork.1901)

۶۴۔ جونگ — Jong,P.de. — سیرت ابن ہشام مع متن و ترجمہ لاطینی، لیڈن ۱۸۸۱ء بمعاونت دی خویہ

۶۵۔ جیورغیو — Gheorghiu,C.V. — La vie de Mohomet(Paris.1962)

۶۶۔ چیگاوٹ — Chagavat,Michel.S. — Mahomet les Khalifes. (Paris-1912)

۶۷۔ ورمنگھم — Dermenghem,E. — La Vie de Mahomet(Paris 1929)

۶۸۔ دوکاٹ — Ducati,Bruno — Maometta(1931)

۶۹۔ ڈالے — Dale,Codetrey — Maishaya Muhammad. (London-1909)

۷۰۔ ڈبلے — Dibble,R.F. — Mohammad. (Newyaork.1926)

۷۱۔ ڈیون پورٹ — Davenport,John. — Apology for Mohammed and the Quran. (London.1869) Reprint. Lahore--1975.

۷۲۔ ڈوریر — Du Ryer,Andre. — The Alcoran of Mahomet (London.1649)

Title	Author	
Mahomet, Founder of Islam (London. 1694)	Draycott, G.M.	۷۳۔ ڈریکاٹ
Mahomet daus Son Lemps (Gene-va, 1908)	Ducasse Raymond	۷۴۔ ڈوکاسے
Vie de Mohammed (Paris 1837)	Desvergers, N.	۷۵۔ ڈیورجرس
Spanish Islam (1883)	Dozy, R.P.A.	۷۶۔ ڈوزی
Het Islamisime (Kruseman. 1863)		
The Life and Death of Mahomet (London. 1637)	Raleigh, Sir W.	۷۷۔ ریلے
Vita di Maometto (Milano. 1922)	Ram Poldi	۷۸۔ رام پولڈی
Mohamed und die Sehinen (Leipzig 1907)	Reckender, H.	۷۹۔ ریکینڈر
Reflections on Mohamedanism and the conduct of Mohamed (London. 1712)	Reeland, A.	۸۰۔ ریلینڈ
Mohamed und die Welt des-Islam9Leipzig-1765)	Rehm, H.S	۸۱۔ ریہم
Notice Sur Mahomet (Paris 1860)	Reinaud, J.T.	۸۲۔ رینو
De religione Mohamedica libra due (Utruht 1704)	Reland, H.	۸۳۔ ریلان

Title	Author	
Mahomet et ler origines de L' Islamism. (Paris-1880)	Renan, Ernest	۸۴۔ رینان
L'Islam et Son Prophet (Lausaune -1870)	Rink, F.Th	۸۵۔ رنک
Hayyey Muhammad (Mizz). 1932	Rivlin, Josef. J.	۸۶۔ ریولین
(i) L'Islam: Mahomet et les origines de L'Islam (Paris-1957) (ii) Mahomet. (Paris. 1961)	Rodinson, M.	۸۷۔ روڈنسن
Life of Mahomet. (London. 1833)	Roebuck, J.A.	۸۸۔ روبک
Mahomed. (Newyork. 1907)	Romro, Jacob	۸۹۔ رومرو
Voice Le Vraj Mohamed et la feu'x Coran (Paris 1960)	Zakarias, Heuna.	۹۰۔ زکریا
Le Cedenze religiose de Maom-ettq. (Rome-1922)	Sacco, G.	۹۱۔ سیکو
The Koran or Al-Coran of Mohammad. (London. 1734)	Sale, George	۹۲۔ سیل
Morale de Mahomet (Paris 1784)	Sawary Claude E.	۹۳۔ سوارے

۹۴۔ سیل — The Life of Muhamed (London- 1913) — Sell, Edward

۹۵۔ سوان — Ono Successu Davideros Hyma- nes Unitatus Sis Muhamed. Upsalise.1886) — Svan Borg.A.

۹۶۔ سونڈرز — A History of Medieval Islam (London.1965) — Saunders, J.J.

۹۷۔ شروڈور — Muhammad testies vanitatis- Contraseipsum(Leipzig.1718) — Schroeder, M.G.

۹۸۔ طور اینڈرے — Mohammed: The Man and his faith. (Tr.) London. 1956 — Tor-Andrae

۹۹۔ فیورٹ — Mahomet: La Science Chezles Arabs(Paris.1866) — Favrot, Alexis

۱۰۰۔ فارسٹر — Mahometanism Unveiled.(London.1829) — Forster, Charles

۱۰۱۔ فرائڈ — Mohammad a Regebbi Zeridosag- Megitelaseben(Budapest.1934) — Fried, Dezero

۱۰۲۔ فوربنگ — Mohamed, Munzer und Bockold (Hamover.1788) — Forebing, J.C.

۱۰۳۔ کیتانی — (i) Annalidell s Islam/Nepoli. 1905-26) (ii) Maometto Profeta d'Arsa- bia(IkaLiNA 1910) — Caetani, Leone

۱۰۴۔ کارلائل — The Hero as Prophet-Mahomet. (Newyork.1902) — Carlyle, Thomas

۱۰۵۔ کاستری — Comte dp. L'Islam-Impressions et etudes.(Paris.1912) — Castries, Heurideloc

۱۰۶۔ کلیمن — Leban Muhamed's des Stifters der Muhammadenism Religion. (Himberg 1814) — Clemens, J.F.G.

۱۰۷۔ کلاڈیس — Muhameds Religion aus dem Koran(Atona-1908) — Claudius, H.H.

۱۰۸۔ کورینالڈی — Maometto ogli Ebrie(Milans. 1925) — Corinaldi, Gino

۱۰۹۔ کریمی — Anecdotes of Hazrat Mohammad London.1939) — Karimi.R.W.

۱۱۰۔ کاسٹمین — Muhammod, Haus Lefnad bere- tted.(Stockholm.1908) — Kastman, Carl

	Title	Author
۱۱۱۔ کوئیل	Mohamed and Mohamedenism (London. 1889)	Koelle, S.W.
۱۱۲۔ کروپن	Mohamed der Prophet. (Humberg- 1851)	Kroppen, P.
۱۱۳۔ کاسن ڈی پرسیوال	Essai Sur l'Histoire des Arabes. (1847)	Caussin de Perceval A.P.
۱۱۴۔ الکندی، عبدالمسیح بن اسحاق	Risalah--Ed. Tien (London. 1880) The Apology of al-Kindi. (London. 1887) By Muir.	Al-Kindi
۱۱۵۔ گارساں دی تاسی	Le Doetrine et les Deviors de la Religion Musulmane. (Paris, 1826)	Garcin de Tussy
۱۱۶۔ گاڈفرے ڈی مبائن	Mahomet. (Paris. 1957)	Gaudefroy De-Mombynes
۱۱۷۔ گب	Mohamedanism-an Historical Survey (London 1953)	Gibb. H. A. R.
۱۱۸۔ گبن	Life of Mahomet. (Newyork. 1879)	Gibbon, Edward
۱۱۹۔ گولڈ زیہر	Mohamed and Islam. (Tf) Yale. (1917)	Goldziher, Ignac

	Title	Author
۱۲۰۔ گلمین	The Saracens. (London. 1887)	Gilman, Arthur
۱۲۱۔ گولڈ	Mahomet et Son Oenure. (Paris 1897)	Gold. I. L.
۱۲۲۔ گرین	The Life of Mahomet, founder of the Religion of Islam and the Empire of the Saracens. (London. 1840)	Green, Samuel
۱۲۳۔ گریم	Mohammad, Des Leban Nachden Quellen. (Minister. 1892-95)	Gremme, Hubert
۱۲۴۔ لنگز	Muhammad. (London. 1983)	Lings, Martin
۱۲۵۔ لیمیریسی	Vide de Mahomet d'epres La tradition. (Paris. 1897-98)	Lamairesse. E. D. G
۱۲۶۔ لامارٹن	(1) Mahomet in Les Grand Bommes-de-ortent (paris. 1889) (ii) Histore de La Turquie. (Paris-1854)	Lamartine, A. M.
۱۲۷۔ لیٹنر	Muhammadanism (Working 1889) Reprint Lahore. 1893	Leitner. G. W
۱۲۸۔ لیروگ	Vie de Mahomet. (Paris 1939)	Lerougue. R.

Moise,Jesus et Mahomet on- Levy,Simon ۱۲۹- لیوی
less Trios Grands(Paris.1887)

The Arabian Prophet : a life Lew,Che,Fi ۱۳۰- لیوچی فی
of Mohammad from Chinese and
Arabic Sources(Shanghai.1921)

Islam,Her moral and Spirit- Leonard,Arthur.G. ۱۳۱- لینارڈ
ual Value.(London.1927)

The Speeches and Table Talk Lane-Pool,Stainley ۱۳۲- لین پول
of the Prophet Mohammad.(Lo-
ndon.1882)

۱۳۳- لامنس Lammens,P.H. اخلاص محمد (۱۹۱۱ء)
فاطمہ وبنات محمد (روم ۱۹۱۲ء)
عہد الاسلام (روم ۱۹۱۴ء)

Muhammad,mans heyake Pamoje Madan,A.C, ۱۳۴- میڈن
na habarizs Waslinin na Matu
ruki.(London.1888.Eng.Tr.
London.1896

۱۳۵- مگنانی Magnani,L.
(i) Allahe il su Profeta
Parma(Estere.1922)

(ii)Mahomet ne imposter.
(London. 1920)

La Vite di Maometto,(Milans Manfredi,Vit. ۱۳۶- مینفریدی
1898.)

Mohammad and the rise of Margoliouth,D.S. ۱۳۷- مارگولیتھ
Islam.(Newyork.1905)

Mahumeti-Vita rerumque gest- Maracci,Loius ۱۳۸- مراکی
arn Synopsis.(Roma.1691)

Historia-del falsey perverso Martin,M.J. ۱۳۹- مارٹن
Profeta Mahoma.(Madrid.1781)

The life and the religion of Menezes,J.L ۱۴۰- مینازیس
Mohammed the Prophet of Ara-
bia.(London.1921)

Maomettoeil paradise.(Mila- Messara,Pina ۱۴۱- مسارا
ns.1946)

An History of Mahamedenism Mills,Charles ۱۴۲- مل
London.1817)

Memories of the life of Mileman,H.H. ۱۴۳- مل مین
Mahomet.(London.1727)

An Out Line of Islam(London- 1934) Worlth,C.R. ۱۵۲- نارتھ

(i)Muhammad at Mecca.(1953) (ii)Muhammad at Medina.(1956) (iii) Muhammad Prophet and Statesman.(London.1961) Watt.W.M. ۱۵۳- واٹ

Mohammad de Prophet Sein Leben und Seine Lehre.(Stuttgart.1843) Weil,Gustav ۱۵۴- ویل

Fra Missionen Blanat Muhammedaners,(Denmark.1909) Weilejus,H. ۱۵۵- ویلیجس

Some Hours with Muhammad : Being a popular Account of the Prophet of Arabia and of His more immediate followers together with a short Synopsis of the relgion he founded.(London) Wollaston,Sir.A.N ۱۵۶- والسٹن

Muhamed und sein Werk(Stuttgurt.1953) Wueaz,Friachich ۱۵۶- ویاز

Mahoma,Su Vida.(Madrid.1727) Monters Yvidal,J. ۱۴۴- مونٹیرو

False divinities: On Moses, Christ and Mahomet and other religious deceptives.(London 1970) Moses,the Law giver ۱۴۵- موسس

History of Religis:Judaism Christianity,Mohamodanism.(Newyork,1929) Moore,G.F. ۱۴۶- مور

The life of Mahomet promoriginal Sources.(London.77) Muir,Sir.William ۱۴۷- میور

Spiritual heroes, a study of the World's Prophets.(Newyork.1955) Muzzay,D.S. ۱۴۸- موزے

Vita di Maometto.(Rome.1846) Nathane,C.A. ۱۴۹- ناتھن

A Literary History of the Arabs.(Newyork. 1907) Niciolson,R.A. ۱۵۰- نکلسن

Das Heben Muhamed's nach der Quellen Popular darqistett (Hanover.1863) Noldeke,Theslor ۱۵۱- نولدیکے

۱۵۸- وسٹنفیلڈ Wustenfeld, F. (تاریخ مکۃ المکرمہ، سیرۃ ابن ہشام مع تعلیقات، اراضی مدینہ منورہ۔ تاریخ اشراف مکہ وغیرہ)

۱۵۹- ویٹیر Vattier, Pierre. L' Histore Mahometane. Paris 1657)

۱۶۰- ویلارڈ Vieillard, Rene (i) Mohammad, Messenger d' Allah. (Philip. 1657)
(ii) Mohammed (A Bengali Account of the life of Muhammed) Calcutta. 1SS

۱۶۱- والش Wellich, J.U Religio Turcico, Mahometisirta (Suceorum. 1659)

۱۶۲- ہوس Heas, Hans Das Bild Muhameds in Wandel der Zeiten. (Berlin 1915)

۱۶۳- ہٹال Hatale, Peter. Mohamed elete estah a. (Buda-pest. 1878)

۱۶۴- ہیڈلے Headloy Rowland. G. The Three Great Prophets of the World. (Woking. 1923)

۱۶۵- ہگنز Higgins, Godfray An Apology for the life and character of the celebrated

Prophet of Arabia called Mohammad the illustrious. (London. 1829)

۱۶۶ ہلارڈ Hill, Frederick H. History of Mahomet the the Great Imposture (Falkirk 1821)

۱۶۷ ہوویل Howell, W.R.B.V. Mohammed B (Batavia. 1939)

۱۶۸ ہوباش Holbach, Powl, H. Moisa, Jesus, Mahomet (Valencia, 1903)

۱۶۹ ہولما Holma Harri Mahomet, Prophete des Arabes (Paris 1946)

۱۷۰ ہالینڈ Holland, Edith The Story of Mohamed (London 1914)

۱۷۱ ہرگرونج Hurgronje, C.S. -works in Selected - (ed) (Leiden. 1957)

سلسلہ اسلام اور مستشرقین

اسلام اور مستشرقین کے سلسلہ میں حسب ذیل کتابیں پریس میں ہیں۔ (۱) روداد سیمینار اسلام اور مستشرقین (۲) مجموعۂ مقالات جو اس سیمینار میں پڑھے گئے (۳) علامہ شبلی اور مستشرقین (۴) مولانا سید سلیمان ندوی اور مستشرقین،

کتاب سازی و راقت

از جناب مولانا محمد عبد الحلیم چشتی صاحب، کانو، نائیجیریا

(۲)

عہد خلافت راشدہ میں صحابہؓ اسلام کی نشر و اشاعت، فتوحات کی وسعت اور جنگی مصروفیات کی وجہ سے خط کی آرائش و زیبائش اور ذوق جمال کی تسکین کا سامان بہم پہنچانے کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکے کیونکہ تلوار اور قلم ایک ہی وقت میں ہاتھ میں نہیں پکڑے جا سکتے تھے، اموی دور میں سلطنت کی وسعت، امن و امان کی بحالی اور تمدنی ترقی کی وجہ سے ثقافتی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا، نامور خطاط پیدا ہوئے، مصحف نگاروں میں خالد بن الہیاج کو شہرت حاصل ہے[1]، اور کاتبوں میں قطبہ جو اپنے وقت کا سب سے بڑا خطاط تسلیم کیا گیا تھا، اس نے چار اسلوب خط ایجاد کئے تھے[2]، مالک بن دینار المتوفی ۱۳۰ھ نے مصحف نگاری بطور پیشہ اپنائی[3]۔

امویوں سے اقتدار عباسیوں کو ملا تو ثقافتی سرگرمیاں اور بھی تیز تر ہو گئیں، اور فن خطاطی کو بہت فروغ حاصل ہوا، شاگردان حسن بصری میں ضحاک بن عجلان، قطبہ سے بازی لے گیا، خلیفہ منصور و مہدی کے دور میں اسحاق بن حماد المتوفی ۱۵۴ھ نے بہت تلامذہ یادگار چھوڑے جن میں یوسف لقوہ الشاعر اور ابراہیم بن محسن کا نام سرفہرست ہے[4]، اور ان کے معاصر شقیر، ثناء کاتبہ، عبد الجبار (استاد ان فن میں تھے، کوئی ان کے رنگ میں نہیں لکھ سکتا تھا[5]،

---

[1] الفہرست لابن الندیم ص ۹ [2] ایضاً، [3] ایضاً، [4] پیدائش خط و خطاطان از عبد المجید ایرانی مصر، چاپخانہ چہرہ نما ۱۳۶۱ھ ص ۲۰، ۸ قسطنطنیہ مطبعۃ ابو الضیاء ۱۳۵۰ھ ص ۳، الخطاط البغدادی علی بن ہلال المشہور بابن البواب تالیف سہیل انور ترجمہ محمد بہجۃ الاثری، عزیز سامی البغدادی، بغداد مطبعۃ المجمع العلمی العراقی ۱۳۷۷ھ ص ۱۰ [5] الفہرست لابن الندیم ص ۱۰

مذکورہ بالا حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں خوشنویسی کا فن اتنا ترقی کر گیا تھا کہ اس میں لونڈیاں بھی نام پیدا کرنے لگی تھیں۔

اقسام خط عہد ہارونی میں کاتبوں نے اس فن میں اتنا تنوع پیدا کیا کہ بارہ[1] کوفی رسم الخط رائج ہو گئے، جن میں خط جلیل سب سے زیادہ مشکل تھا[2]، پھر بغداد میں ایک خط ایجاد ہوا جسے خط عراقی اور خط وراقی کہا جاتا تھا، یہ خط برابر ترقی کرتا رہا، تا آنکہ کاتب احول نے جو برامکہ کا کاتب تھا، اس خط کے قواعد و اقسام کو منضبط و قلمبند کیا[3]۔

خلیفہ مامون کے عہد میں علوم کی ترقی کے ساتھ فن خوشنویسی کو بھی ترقی ہوئی، بارہ کوفی طرز خط ترقی کر کے بیس تک پہنچ گئے تھے[4]، ان کا شمار کوفی خط میں تھا، اور کوفی خط سرکاری و مذہبی رسم خط تھا[5]، وزیر مامون ذو الریاستین فضل المتوفی ۲۰۲ھ نے ایک خط ریاسی ایجاد کیا جو گذشتہ سارے رسم خطوں سے فائق تھا، اس سے چودہ رسم خط پیدا ہوئے تھے[6]، اس عہد میں خوشنویسی اتنی ترقی کر گئی تھی، کہ خاندان کے خاندان اس شریف پیشے کو اختیار کرنے لگے تھے، چنانچہ مقتدر باللہ کے استاد ابو الحسین اسحاق شاگرد ابن معدان اپنے دور کا سب سے اچھا خوشنویس تھا، اس کا بھائی، بیٹا، پوتا سب اسی کی روش پر لکھتے تھے[7]، اس نے کتابت کے موضوع پر ایک رسالہ بھی الموافق کے نام سے لکھا تھا[8]، لوگ اس فن کی طرف رغبت کرنے لگے تھے، خطاطوں کا مصوروں سے زیادہ مرتبہ بلند تھا، اسلئے ادب و تاریخ کی کتابوں میں ان کا تذکرہ محفوظ ہے،

اسی زمانہ میں ابو علی محمد بن علی ابن مقلہ بغدادی ۲۷۲ھ المقتول ۳۲۸ھ وزیر

---

[1] پیدائش خط و خطاطان از عبد المجید ایرانی ص ۸۲، ۸ خطاطان ص ۳، الخطاط البغدادی علی بن ہلال المشہور بابن البواب ص ۹، انتشار الخط العربی فی العالم الشرقی و الغربی تالیف عبد الفتاح عبادہ، مصر مطبعۃ ہندیہ ۱۹۱۵ء ص ۱۳ [2] الفہرست لابن الندیم ص ۱۱-۱۲ [3] ایضاً ص ۱۳ [4] ایضاً ص ۲ [5] انتشار الخط العربی ص ۳۳ [6] الفہرست لابن الندیم ص ۱۲-۱۵ [7] ایضاً ص ۱۳

خلیفہ مقتدر، قاہر اور راضی باللہ[1]، ابن ہلال[2] شاگرد ابراہیم سجزی و احول امام فن خطاط اور شاعر تھا، کوفی خط کا طرز نگارش ہندسانہ ہے، اس کی اساس زاویہ دار طرز نگارش رہی ہے، ابن مقلہ کو ان دونوں فنون سے طبعی مناسبت تھی، اس نے اس خط کو جس کا ابتداء میں غیر سرکاری تحریروں میں استعمال سے آغاز ہوا تھا، بعد میں خط نسخ کا نام دیا گیا۔ انقلاب پیدا کیا، اور کوفی رسم الخط کی جگہ اُس کو قرآن مجید کا رسم خط بنایا اب[3] یہی ساری دنیا میں اسلام کا رسم خط ہے، پیچیدہ کوفی رسم خط جس کا لکھنا پریشانی کا موجب تھا منسوخ قرار دیا، ابن مقلہ نے اس خط کے بارہ[12] قواعد مرتب کئے تھے[4]،

اس کا طرز نگارش ضرب المثل ہے کسی شاعر نے کہا ہے،

فصاحة حسان وخط ابن مقلہ — وحکمة لقمان وعفة مریم

حسان کی فصاحت اور ابن مقلہ کا خط — لقمان کی حکمت اور حضرت مریمؑ کی عفت

اذا اجتمعت فی المرء والمرء مفلس — فلیس لہ قدر بمقدار درہم[5]

جب یہ باتیں کسی آدمی میں جمع ہو جائیں اور آدمی بھی وہ مفلس ہو، اور اسکے نمونہ خط کی بولی لگائی جائے تو افلاس کی وجہ سے اس کی قیمت ایک درہم بھی نہیں ہوگی۔

اسلامی تمدن نے مشرق و مغرب میں دو معنوی دائمی آثار و نقوش نفوس انسانی پر چھوڑے ہیں،

---

[1] ثمار القلوب فی المضاف والمنسوب للثعالبی تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، القاہرہ، مطبعة المدنی ۱۳۸۴ھ صفحہ ۲۰۰ [2] وفیات الاعیان ج ۲ ص ۶۱ [3] الخطاط البغدادی علی بن الہلال المشہور بابن البواب، صفحہ ۱۶ [4] ایضاً، انتشار الخط العربی، صفحہ ۱۵، [5] بدیع اللہ دبیر نژاد، سیر خوشنویسی در قرن پنجم ہجری و ظہور ابن بواب، ہنر و مردم شمارہ ۱۳۱ (۱۳۵۱ ف) ص ۵۳-۵۴-۵۲، تذکرہ خوشنویسان معاصر از علی راہجری، تہران کتاب خانہ ابن سینا (۱۳۴۶ ف) ص ۱۵، [6] راہجری نے تذکرہ خوشنویسان معاصر (ص ۱۵) میں مصرع اخیرہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔ فلیس لہ قدر بمقدار درہم

ان میں عربی زبان اور ابن مقلہ کا یہ رسم خط بھی ہے،[1] فن خوشنویسی نے فنون جمیلہ کی وہ تربیت کی کہ پوری مسلمان قوم میں تقریباً ہر پڑھا لکھا، عالم و عامی اشکال موزوں کا ذوق رکھنے لگا تھا[2]، ابن مقلہ نے کوفی خط کو عراقی طریقہ کی حرف منتقل کیا، پھر ابن البواب المتوفی ۴۲۳ھ نے اس میں ندرت پیدا کی اور یاقوت مستعصمی المتوفی ۶۹۸ھ / ۱۲۹۹ء نے خط کو پایۂ کمال تک پہنچایا، اور اس کے قوانین کی تکمیل کی[3]۔

یہ عربی رسم خط زینت و آرائش کا موجب رہا اور اس نے اہل یورپ کو بھی متاثر کیا، چنانچہ تھامس آرنولڈ (Thamas Arnold) لکھتا ہے،

اسلامی فن میں عربی کا واحد حصہ اس کا رسم الخط ہے جو مسلمانوں کے اثر و اقتدار کا ایک عالمگیر نشان ہے، چونکہ اس رسم الخط میں قرآن مجید لکھا جاتا تھا، اس لئے یہ ساری دنیائے اسلام میں مقدس و محترم سمجھا جاتا تھا، اس فن میں خوشنویسوں نے ایسا کمال پیدا کیا کہ نہ صرف ایک خوشخط کتاب نہایت بیش بہا چیز سمجھی جاتی تھی، بلکہ کسی باکمال خطاط کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک پرزہ بھی شائقین فن کے نزدیک ایک قابل فخر ملکیت تھا، اگرچہ یورپی کاریگر اس رسم الخط کو پڑھنے سے قاصر تھے، لیکن آہستہ آہستہ وہ اس کی شکل و شباہت سے آشنا ہوگئے، اس "علم اور جہالت" کا ایک پر اثر ثبوت اس طلائی سکے سے ملتا ہے، جو اوفا (شاہ مرسیہ) (۷۹۶-۷۵۷ء) نے مضروب کیا، جو برٹش میوزیم میں محفوظ ہے (شکل ۱۴)، اس کی شکل مسلمانوں کے دینار سے ملتی جلتی ہے،

اس زمانے کے بعد سے مسیحی یورپ کے کاریگروں کی مصنوعات میں عربی حروف اور مسلمانوں کی تزیینی آرائشوں کا رواج روز افزوں ہوگیا،۔۔۔ بہت سے سیاح مسلمان ملکوں میں

---

[1] انتشار الخط العربی، ص ۳۳ [2] سید عبداللہ، دور اسلامی میں ابتدائی تعلیم کا آغاز، چٹان (۲۹ جنوری ۱۹۷۳ء) ص ۶ [3] بدیع اللہ دبیری نژاد، یاقوت مستعصمی و ہنر خوشنویسی، ہنر و مردم، شمارہ ۱۰۶ (مرداد ماہ ۱۳۵۰ ف) صفحہ ۵۔

جانے لگے، ان کے سفر کی وجہ مقامات مقدسہ کی زیارت کے علاوہ اس علم کی تشنگی تھی، جس کے واحد وارث مسلمان تھے، تجارت اور دوسرے مفادات کی کشش بھی تھی، یہ سیاح جب سفر سے واپس آئے تو عرب کی شوکت و عظمت کے افسانے سناتے اور ان کے ثبوت میں مسلمانوں کی صناعی اور کاریگری کے وہ نمونے پیش کرتے جو وہ مسلمان ملکوں سے لیکر آتے تھے[۱]۔

تحریر و کتب شناسی عہد عباسی میں خطوط شناسی ایک فن کی حیثیت اختیار کر گئی تھی، چنانچہ اس فن میں اہل علم درک حاصل کرتے تھے، محمد بن عبدالرحمن بن معمر قرطبی المتوفی ۲۳ھ خلیفہ محمد بن ابی عامر منصور کے شاہی کتب خانے میں، اور اس کے فرزند کے خزائن الکتب میں کتابچوں کی تصحیح و مقابلہ پر مامور تھے، ان کو اس فن میں کمال حاصل تھا، چنانچہ ابن الآبار کا بیان ہے۔

کان من اعلم الناس بالکتب	موصوف کتابوں اور ان کے اسباب
وعللها وابوجهم بجمعها و	وعلل کے سب سے بڑے عالم تھے کتابوں
افسرهم لخطوطها ونسبهم	کو جمع کرنے اور ان کی وراقوں کی طرف
لها الی وراقیها[۲]	نسبت کرنے میں سب سے زیادہ ماہر تھے،

کان من اعلم الناس الخ کے الفاظ سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ عہد عباسی میں مشرق (ایشیا و افریقہ) اور مغرب (اسپانیہ) میں کتب شناس و خطوط شناس کثرت سے موجود تھے، اس فن میں درک و مہارت حاصل کرنے کے لیے نامور خوشنویسوں اور وراقوں کے خط کے نمونے جمع کرکے اس فن میں بصیرت حاصل کرتے تھے، شاہی کتب خانوں میں ایسے ہی ماہر خطوط و

[۱] Thomas Arnold Irlamic Art and its influence Painting in Europe - میراث اسلام، ترجمہ عبدالمجید سالک لاہور انجمن ترقی ادب ۱۹۶۲ء ص ۵۵

[۲] تکملہ کتاب الصلۃ تالیف ابن الآبار القضاعی، القاہرہ، عزت العطار الحسینی، ۱۹۵۵ء۔

کتب شناس تصحیح و مقابلہ کتب کی خدمات پر مامور کئے جاتے تھے۔

عربی رسم الخط کی فطری سادگی، روانی و دلکشی اور دوسرے رسم الخطوں پر اسکی فوقیت کا اعتراف اس دور کے شہرۂ آفاق مورخ ٹائن بی کو بھی ہے وہ لکھتا ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید امر ہے کہ ترک لاطینی حروف کو اپنے پرانے رسم الخط کے مقابلے میں نہ صرف یہ کہ بھدا اور ناموزوں پاتے ہیں، بلکہ مشکل اور بے ڈھنگا بھی، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عربی رسم الخط اپنے حسین دائروں کے ساتھ ہمارے لاطینی رسم خط سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے یہ مختصر بھی ہے، اور رواں، مسلسل اور خوش اسلوب بھی، ایک قوم جو عربی رسم الخط استعمال کر رہی ہو اسے شارٹ ہینڈ کی کوئی ضرورت پیش نہیں آتی[۱]۔

مدرسۂ خوشنویسی عہد عباسی میں خوشنویسی کا فن مدرسہ میں سکھایا جاتا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ مدارس میں اس کا مستقل شعبہ قائم کیا جاتا تھا، یہ فن خطاطی کی اشاعت کا سبب تھا تحصیل علم کے بعد طلبہ و اہل علم کو یہ فن مادی زندگی میں معاشی احتیاج سے مستغنی کرتا تھا، چنانچہ ابن بابا نظامی جو نہایت عمدہ شاعر و خطاط تھا، اس نے جب نظام الملک طوسی کی خدمت میں قصیدہ پیش کیا تو اس نے اس کی بہت قدر کی، جامعہ نظامیہ نیشاپور میں ٹھہرایا، یہاں انھوں نے خوشنویسی سکھائی[۲]۔

کتابت و خوشنویسی کی تعلیم و فروغ کے لئے جداگانہ مدرسہ بھی قائم کیا جاتا تھا، تاکہ کتابوں کی نقل کے لئے کاتبوں اور خوشنویسوں کی کمی معاشرہ میں محسوس نہ کی جاسکے۔

اسی قسم کا ایک مدرسہ ابوالرضی محمد بن احمد بن داؤد المعروف بالمفید المتوفی ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء نے

[۱] Annold J. Toapnlee, Astudy of hirtory (London) Oxford Univerrity Prers, 1939. vol, H, PP.51-55

[۲] دمیۃ القصر وعصرۃ اہل العصر تالیف ابوالحسن علی الباخرزی، حلب المطبعۃ العلمیۃ ۱۳۴۸ھ، ص ۶۳

بغداد میں کھولا تھا، جس میں موصوف خوشنویسی اور ریاضی کی تعلیم دیتے تھے[۱۴]۔ اس کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ اس قسم کا مدرسہ خوشنویسی کی تربیت گاہ (Training Centre) کا کام دیتا تھا۔

نقل وضبط کا اہتمام | عہد عباسی میں علماء جو کتابیں تالیف کرتے انھیں پڑھاتے، طلبہ اور علماء کو اس امر کی تصدیق کے لئے سند دیتے تھے، کہ یہ کتابیں انھوں نے حسب استعداد اور حسب موقعہ و محل کلاً یا جزءً استاد یا مصنف سے سمجھ کر پڑھی ہیں، اور استاد نے کتاب کو پڑھانے اور سننے کے بعد اہلیت کی بنیاد پر انھیں کتاب روایت کرنے کی اجازت دی ہے، دراصل استاد یا مصنف کی موجودگی میں کتاب کو سننا سنانا اس کتاب کی صحت کا ضامن ہوتا، اس نسخہ کو اغلاط و الحاق سے پاک سمجھا جاتا، اس نسخۂ کتاب سے پڑھنا، پڑھانا، نقل کرنا، اقتباس پیش کرنا مستند سمجھا جاتا تھا، اس کو اصطلاحِ محدثین میں صحت وضبط کتاب سے تعبیر کیا جاتا ہے، محدثین کا یہ وہ زریں اصول ہے، جس کی تقلید ائمۂ لغت وغیرہ نے بھی کی ہے[۱۵]۔

وہ عالم جو مصنفین اور اساتذۂ فن سے کتابیں روایت نہیں کرتا اور کتب خانے میں بیٹھ کر کتابوں کا مطالعہ کرتا، ان سے اقتباس لیتا، وہ "صحفی" کہا جاتا تھا، اس کی کتاب اور اقتباس کو کبھی سند کا درجہ حاصل نہیں ہوتا تھا، چنانچہ احمد بن محمد بشتی المتوفی ۳۴۸ھ / ۹۵۹ء نے جو زبردست لغوی اور کتاب الخصائل کا مصنف تھا، مقدمۂ کتاب میں اس مسلّمہ اصول کی مخالفت کی اور کہا۔

میں نے اس کتاب میں جو اقتباس پیش کئے ہیں وہ مذکورۂ بالا کتابوں سے ماخوذ ہیں،

---

۱۴ الاعلام للزرکلی ج ۶ ص ۲۱۲ ۱۵ تہذیب اللغۃ محمد بن احمد الازہری تحقیق عبدالسلام محمد ہارون القاہرۃ، دار القومیۃ العربیۃ للطباعۃ ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء، ص ۳۳۔

ممکن ہے بعض لوگ برا بھلا کہیں اور اس امر میں تنقید کریں کہ میں نے جن علماء کی طرف ان اقوال کی نسبت کی ہے، ان سے مجھے روایت وسماع حاصل نہیں، ان کتابوں سے اقوال نقل کرنا اس عالم کے لیے موجبِ عیب نہیں جو صحیح وغلط کو پہچانتا ہو[۱۶]۔

ازہری نے موصوف کے اس موقف پر سخت تنقید کی اور کہا بلاشبہ بشتی کو اس امر کا اعتراف ہے کہ جن کتابوں سے اس نے اپنی کتاب میں اقتباسات پیش کئے ہیں ان کا سماع اسے حاصل نہیں، ان اقتباسات کے لئے مذکورۂ بالا عذر پیش کرنا ہی اس امر کا اعتراف ہے کہ وہ صحفی ہے اور صحفی کا ذخیرہ وہ کتابیں ہوتی ہیں، جن کا وہ مطالعہ کرتا ہے، ان میں تصحیف کرتا، غلط پڑھتا اور زیادہ پڑھتا ہے، تاکہ ان کتابوں کے مواد سے لوگوں کو متعارف کرائے، جنھیں اس نے اساتذۂ فن سے نہیں سنا اور اسے علم نہیں کہ جو کچھ ان کتابوں میں لکھا ہے، وہ صحیح ہے، یا غلط اور ہم نے جو زیادہ پڑھا ہے، وہ زیر زبر اور صحیح نقطوں کے ساتھ ضبط تحریر میں آیا ہے یا نہیں اس کی تصحیح اربابِ نظر نے کی ہے یا نہیں، یہ ایسی غلطی ہے، جس پر جاہل ہی اعتماد کر سکتا ہے[۱۷]، اس کے یہ معنی نہیں کہ جن کتابوں کی سند حاصل نہیں، ان سے اقتباس پیش کرنا درست نہیں، ان سے تائید واستشہاد کے طور پر اقتباس پیش کرنے کا حق ہر عالم کو حاصل ہے، اس لیے کہ اس کے پاس اس کی اصل اپنے سلسلۂ سند سے موجود ہوتی ہے، ازہری فرماتے ہیں۔

"ابوتراب نے ابوسعید ضریر (نابینا) سے برسوں استفادہ کیا، بہت سی کتابوں کا سماع کیا، پھر ہرات آکر شمر سے بعض کتابوں کا سماع کیا، اور یہ اس کے علاوہ تھا جو موصوف نے فصیح وبلیغ بدویوں سے سنا اور یاد کیا تھا، اب وہ کسی ایسے آدمی کا ذکر کریں

---

۱۶ تہذیب اللغۃ لمحمد بن احمد الازہری تحقیق عبدالسلام محمد ہارون، القاہرۃ، دار القومیۃ العربیۃ للطباعۃ ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء ص ۳۴ ۱۸ تہذیب اللغۃ للازہری، ص ۳۴۔

جسے انھوں نے دیکھا اور سنا نہیں تو ذرا نرمی سے کام لیا جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جو کچھ انھوں نے کتابوں میں دیکھا اسے یاد کیا۔ اس اعتبار سے کہ انھیں ان کا مصنف سے سماع ثابت ہے تو ایسی صورت میں جس کو انھوں نے دیکھا، اس کا قول نقل کرنا تائید کے طور پر ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے اس بات کو اس کے علاوہ دوسرے سے سنا ہے اور یہ محدثین کا ساعل ہے کہ وہ جب کسی باب میں ایسی حدیث پائے جسے کسی معتبر راوی نے کسی ثقہ سے روایت کیا ہو تو اس پر اعتماد کرتے ہوئے اس کا ذکر کرتے ہیں، پھر اس کا شمار ان روایات میں کرتے ہیں، جنھیں انھوں نے اجازۃً روایت کیا ہے۔[1]

مصنفین مقدمۂ کتاب میں اسی لئے اس امر کی صراحت کرتے تھے کہ جن کتابوں کے اقتباس ہم نے پیش کئے ہیں ان کا سماع بواسطہ اساتذۂ فن ہمیں مصنفین سے حاصل ہے۔[2] اسی بناء پر ہم نے جو اور کتابوں میں پڑھا ہے یا ان کتابوں میں جنھیں وراقوں نے نقل کیا ہے، دیکھا ہے، کتاب میں درج نہیں کیا ہے، ورنہ کتاب بڑی طویل ہو جاتی اور اسے سند کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔[3]

کتابوں میں اعراب کا اہتمام عربی زبان میں زیر و زبر کے فرق سے الفاظ کے معانی بدل جاتے ہیں یہ بات عربی زبان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اردو میں بھی ہے، چنانچہ بُجری اور بکری، گُگڑی اور گکڑی میں زیر و زبر اور زبر و پیش کے فرق سے معنی بدل گئے، رسالت مآبؐ کے اقوال سے شرعی احکام مستنبط کئے جاتے ہیں، اس میں زیر و زبر کے فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری سمجھا گیا اور کتابوں میں اعراب کا اہتمام کیا جانے لگا تاکہ غیر متبحر کو پریشانی نہ ہو۔[4]

---

[1] تہذیب اللغۃ ازہری ص ۴۳ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۴۰ [4] الالماع الی معرفۃ اصول الروایۃ وتقیید سماع العیاض ابن موسیٰ تحقیق احمد صقر القاہرۃ، دار التراث ۱۳۸۹ھ ص ۱۵۰-۱۵۲، الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ تالیف محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی تحقیق فرانز روزنتال بغداد مطبعۃ العانی ۱۹۶۳ء ص ۱۰، مناہج العلماء فی البحث العلمی تالیف روزنتال ترجمہ انیس فریحہ، بیروت، دار الثقافۃ ۱۹۶۱ء ص ۴۲-۴۳۔

ان وجوہ سے محدثین نے مشکل حروف اور قابل اشتباہ کلمات کی صحت و ضبط پر زیادہ زور دیا، اور ہدایت کی کہ مشکل حرف کو کتاب کے حاشیہ پر حرف کے سامنے لکھے، یہ حرف نقطے والا ہو یا بے نقطے والا تاکہ قاری کو رہنمائی ہو سکے اور اشکال جاتا رہے، خاص طور پر جب کتاب باریک اور سطروں میں بھی گنجائش کم ہو تو اسے پورا لکھنے سے اشکال جاتا رہے گا، چنانچہ حا کے نیچے چھوٹی ح بناتے، عین کے نیچے چھوٹا ع اور صاد، طا، دال اور راء کے نیچے چھوٹی سی صاد وغیرہ بناتے تھے، یہی بعض اہل مشرق و مغرب کا دستور تھا، بعض علما حروف مہملہ پر تبرہ (ہمزہ کا سا) نشان بناتے تھے، بعض علما حروف مہملہ میں نقطوں کو بدلتے تھے، اور انھیں اہمال کی غرض سے نیچے لگاتے تھے۔ اہل مشرق کا دستور یہ ہے کہ وہ حروف مہملہ پر نصب نبرہ کے بقدر بہت ہی مختصر خط میں حروف کے اوپر لگاتے ہیں۔[1] بلکہ ابن درستویہ نے تصریح کی ہے کہ بعض کاتب غایت درجہ احتیاط کی وجہ سے ہر مشتبہ حرف جیسے راء، سین، صاد اور عین کے نیچے بھی نقطہ لگاتے تھے، تاکہ راء، شین، صاد، ضاد اور غین جن کے اوپر نقطہ لگایا جاتا ہے، امتیاز رہے۔[2] مذکورۂ بالا امور کی تصدیق کتاب "حذف من نسب قریش عن مورج السدوسی" سے جو مشہور نحوی و وراق، ابراہیم بن عبد اللہ نجیرمی المتوفی ــــــھ کے مکتوبہ نسخہ سے کی جاسکتی ہے، جس کی تفصیل صلاح الدین المنجد نے مذکورہ کتاب کے صفحہ ۱۵ پر پیش کی ہے۔[3]

کتاب کا مقابلہ الکتاب کو نقل کرنے کے بعد شیخ کے اصل شنیدہ نسخہ سے مقابلہ کرنا لازم ہے، یا پھر کسی ثقہ کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے، بغیر مقابلہ و صحت نسخہ سے روایت کرنا درست نہیں ہے، عبارت میں اگر کہیں کوئی اشکال ہوتا ہے، تو مقابلہ و صحت سے وہ بھی دور ہو جاتا ہے۔

---

[1] الالماع، ص ۱۵۰ [2] کتاب الکتاب لابن درستویہ، ص ۵۴، [3] کتاب حذف من نسب قریش لمورج بن عمرو السدوسی تحقیق صلاح الدین المنجد القاہرۃ؛ مکتبہ دار العروبۃ ۱۹۶۰ء ص ۱۵

اصل نسخہ سے مقابلہ اس لئے ضروری قرار دیا گیا کہ انسان کا ذہن ہر وقت حاضر نہیں رہتا ہے، قلب غافل ہو جاتا ہے، نظر بھر جاتی ہے، قلم بہک جاتا ہے، اس لئے بلا مقابلہ نسخہ قابل اعتبار نہیں سمجھا جاتا،[1] اور کتب خانوں میں ایسے نسخوں کی اہمیت زیادہ نہیں ہوتی،

تخریج اور الحاق نقص اگر کتاب نقل کرتے وقت کوئی حرف یا جملہ چھوٹ جائے تو بین السطور لکھا جائے، حاشیہ کتاب میں (لحق) اضافہ کو بین السطرین سامنے لکھا جائے عبارت کا آغاز اوپر کی طرف سے ہو تاکہ وہ اضافہ اسی سطر تک یا دو تین سطروں تک ختم ہو جائے اور اس کے آخر میں صح کا لفظ یا بعض علماء کی طرح بعد التصحیح، رجع یا انتھی الحق لکھنا چاہیئے۔[2]

ہر وہ بات جو کتاب کے حواشی اور کناروں پر "تنبیہ" "تفسیر اور اختلاف ضبط کے عنوان سے لکھی جاتی ہے، اس پر تخریج نہ کی جائے کیونکہ اس سے التباس پیدا ہوتا ہے، یا اسے بھی اصل (متن) کتاب سے سمجھ لیا جاتا ہے، تخریج صرف اسی امر کی کرنا چاہیئے، جس کا اصل کتاب سے تعلق ہو، بسا اوقات اس تخریج کے ساتھ حرف پر مثلاً ضبہ یا تصحیح کا اضافہ کیا جاتا ہے، جو اس اضافہ مرقومہ کا غماز ہوتا ہے۔[3]

یہ وہ اصول ہیں جو خلیفہ مستنصر باللہ کے خزانۃ الکتب میں "بیت المقابلہ والنسخ" کے نگرانوں نے اس کے محل میں وضع کئے اور برتے تھے،[4] قاضی عیاض نے تصریح کی ہے کہ ہمارے شیوخ ادب نے بتایا ہے، کہ حرف صح (صاد اور حا کے ساتھ) اگر لکھا جاتا ہے تو یہ صحت حرف کی علامت ہے، تاکہ کسی وہمی کو خلل و نقص کا گمان نہ ہو، یہ مختصر لفظ صحیح لکھنے کے برابر ہے اور اگر ص بغیر حا کے لکھی جاتی ہے تو حرف کے سقیم ہونے کی علامت ہے، اسی لئے اس پر پورا حرف نہیں لکھا جاتا، یہ اس کے نقص کا غماز ہے، اس حرف کو "ضبہ" کہتے ہیں، یعنی یہ حرف مقفل ہے، اس کے صحیح پڑھنے کی کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی ہے۔[5]

---

[1] الماع ص ۱۵۰، ۱۶۰ [2] ایضاً ص ۱۶۲ [3] ایضاً ص ۱۶۵ [4] ایضاً [5] ایضاً ص ۱۶۹۔

ضرب (قلم زد کرنا)، حک (رگڑنا)، شق (چیرنا)، اور محو (مٹانا) نقل کتاب میں حرف، لفظ یا جملہ قلم سے زیادہ نکل گیا، جو اصل کتاب میں نہیں، اس کو قلم زد کرنے، مٹانے کے طریقے حسب ذیل تھے،

جن کلمات کو خط کھینچ کر قلم زد کیا جاتا تھا، اس کو ضرب و شق کہتے ہیں، علماء کلمات کو دو طریقوں سے قلم زد کرتے تھے، بعض علماء کا دستور یہ تھا کہ جن کلمات کو مٹانا ہوتا تھا، اس کے اوپر آغاز حرف سے اختتام تک خط کھینچ دیتے تھے، بعض علماء اس طرز عمل کو کتاب کا سیاہ کرنا سمجھتے تھے، وہ آغاز و اختتام عبارت پر نصف دائرہ بناتے تھے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ بین القوسین عبارت قلم زدہ ہے، بسا اوقات تحویق (مٹانے) کے لئے بطور علامت شروع میں حرف "لا" اور آخر میں لفظ "الی" لکھتے تھے، یہ اس وقت کیا جاتا، جب کچھ حصہ غلط ہوتا یا کوئی حدیث کا ٹکڑا یا کلام کا حصہ رہ جاتا۔ لیکن سارا کلام غلط نقل ہو جانے کی صورت میں تحویق نام یعنی پورا قلم زد کرنا بہتر سمجھا جاتا تھا، اچھے کاتب شیوخ ضرب و تحویق کو پسند کرتے تھے، وہ ایسی صورت میں دائرہ صغیرہ اول میں بڑھاتے اور اس کو وہ صفر سے تعبیر کرتے تھے، اس کے معنی ان کے نزدیک صفر کا عدد سے خالی ہوتا تھا، اور یہ اس امر کی علامت تھا کہ دو صفر کے مابین عبارت صحت سے خالی ہے،[1]

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نقل عبارت میں کمی و زیادتی واقع ہونے کی صورت میں کن اصول کو برتا جاتا تھا، یہ عہد عباسی کے وہ اساسی اصول ہیں جن میں کچھ آج بھی (Typing) میں ملحوظ رکھے جاتے ہیں، نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خریداری اور انتخاب کتب میں ان باتوں کو بھی پیش نظر رکھا جاتا تھا، اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ عہد عباسی میں صنعت تصحیح و مقابلہ ایک فن کی حیثیت اختیار کر گئی تھی، کتب خانوں میں اس کا بہت اہتمام

---

[1] الالماع ص ۱۷۰ - ۱۷۱، المحدث الفاصل للرامہرمزی ص ۶۰۶ - ۶۰۷، مناہج العلماء فی البحث العلمی لروز نتھال ص ۴۴ - ۴۵

کیا جاتا تھا، اور خریداری میں ان اصول کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ ارباب فن کی خدمات حاصل کرنے کے لئے جو کوالف آج پبلک لائبریری میں جمع کئے جاتے ہیں اس کی ابتدا مسلمانوں نے کی تھی، انھوں نے اپنے کتب خانوں میں اس کا ایک مستقل شعبہ لائبریری میں قائم کیا، اور جس طرح وہ فنی معلومات بہم پہنچاتے تھے، تصحیح کا کام بھی کرتے تھے۔

عہد عباسی میں کتابوں کی صحت حسب ذیل ذرائع سے کی جاتی تھی۔

۱۔ اساتذہ کراتے تھے۔

۲۔ نامور علماء سے تصحیح کا کام لیا جاتا تھا۔

۳۔ کتب خانوں میں مقابلہ و تصحیح کے لیے مستقل عملہ رکھا جاتا تھا، جس میں نامور اہل علم کتابوں کی تصحیح و مقابلہ کرتے تھے۔

قواعد صحت و احتیاطی پہلو مشہور لغوی ابو محمد قاسم زیدی بچپن ہی سے کتابوں کی خواندگی و تصحیح میں لگ گئے، اور چالیس برس کتابوں کی صحت کراتے رہے تھے[1]، بعض نابینا علماء بعض کتابوں کی صحت میں استناد کا درجہ رکھتے تھے، ان سے کتابوں کی تصحیح کی جاتی تھی، چنانچہ مشہور لغوی ابوالقاسم شاطبی المتوفی ۵۹۰ھ سے بخاری، مسلم اور موطا پڑھی جاتی تو ان کی یادداشت سے نسخوں کی صحت کی جاتی تھی، اور مشکل مقامات پر حل طلب امور اور نکتے بھی لکھے جاتے تھے[2]،

عالم و شاعر بقدر استطاعت متعدد نسخوں سے تحقیق، مقابلہ و تصحیح کرتا اور بسا اوقات اسے بہت سے نسخے میسر آجاتے تھے، جیسا کہ اخبار ابی تمام میں صولی کے بیان سے عیاں ہے[3]، امام حسن صغانی لاہوری نے صحیح البخاری کا صحیح نسخہ مرتب کرنے کے لیے اور نسخوں کے علاوہ

---

۱ معجم الادبا، یاقوت ج ۷ ص ۱۸۰ ، ۲ الانباہ الرواۃ للقفطی ج ۴ ص ۱۵۵ ، ۳ اخبار ابی تمام للصولی تحقیق خلیل محمود عساکر، محمد عبدہ عزام، نظیر الاسلام الہندی، بیروت، المکتب التجاری، ب، ت، ص ۸ ،

امام بخاری کے شاگرد فربری کا نسخہ بھی پیش نظر رکھا تھا[4]۔ بادشاہوں وزیروں (امیروں) کے کتب خانوں میں ایک شعبہ تصحیح کا ہوتا تھا، اور یہ کام اہل فن سے لیا جاتا تھا، ابوالعلاء حسین بن محمد بن مہرویہ نے کتاب اجناس الجواہر میں لکھا ہے کہ میں ابو علی فارسی نحوی کے پاس تبادلہ جاتا تھا بادشاہ نے ہفتہ میں دو دن انھیں کافی الکفاۃ کے کتب خانہ میں کتاب التذکرہ کی تصحیح کے لئے مامور کیا تھا[5]، اور حکم ثانی کے کتب خانہ میں تصحیح کرنے والے کتابوں کا مقابلہ و تصحیح قصر شاہی کے کتب خانہ قرطبہ میں کرتے تھے[6]۔

مصنف اپنی کتاب محنت سے تیار کرتا، عرصہ دراز تک اس کی خامیاں دور کرتا، اس میں اضافہ و تصحیح کرتا تھا[7]۔ چنانچہ ابوبکر محمد بن عزیز سجستانی نے کتاب نزہۃ القلوب فی تفسیر غریب القرآن پندرہ برس میں لکھی تھی[8]، اور ابو عبید قاسم بن سلام نے غریب الحدیث چالیس برس میں لکھی تھی[9]، انہی وجوہ سے تذکرہ نگار صحیح ترین کتابیں رکھنے والوں کی نشاندہی کرتے تھے جس سے مقصد کتابوں کی قدر و قیمت بتانا اور انتخاب میں ان نسخوں کو ترجیح دینا تھا، چنانچہ ابوالحسن علی ابن المغیرہ الاثرم، المتوفی ۲۳۲ھ کے متعلق تصریح کی ہے، کہ ان کے پاس تصحیح شدہ کتابیں تھیں[10]۔ ابوالحسن علی حلبی المتوفی بعد ۶۰۰ھ نحو و لغت کا عالم اچھا ناقل۔ تصحیح کتب کا دلدادہ تھا[11]۔ اس نے اپنی کتاب میں وہی لکھا، جسے اس کے دل و دماغ نے محفوظ رکھا تھا[12]۔

---

۴ فتح الباری، ج ۲ ص ۸۸ ، ۵ مناہج العلماء فی البحث العلمی ص ۳ ، ۶ معجم الادبا ج ۳ ص ۱۴ ، ۷ انباہ الرواۃ للقفطی ج ۳ ص ۲۷۳ ، ۸ فہرست ما رواہ عن شیوخہ من الدواوین المصنفۃ فی ضروب العلم و انواع المعارف لمحمد ابن خیر الاشبیلی ط القاہرۃ، موسسۃ الخانجی ۱۳۸۲ھ ص ۶۲ ، ۹ الاتقان للسیوطی ط ۳ ۱۹۵۱ء ج ۱ ص ۱۱۳ ، ۱۰ الفاضل فی غریب الحدیث، النہایہ لابن الاثیر تحقیق طاہر احمد الزاوی، محمود محمد الطناحی ط ۲، القاہرۃ، دار الفکر ۱۳۸۳ھ ج ۱ ص ۶ ، ۱۱ معجم الادبا ج ۵ ص ۲۱۸ ، ۱۲ ایضاً ص ۲۲۰ ، ۱۳ ایضاً ص ۲۲۰-۲۲۱ ۔

صحت کے اصول وضوابط | شیخ سے کتاب کی تصحیح ومقابلہ جہاں تک ہوجاتا تھا وہاں "بلغ" یا بلغ العرض وغیرہ کے ہم معنی الفاظ لکھے جاتے تھے۔[1]

تصحیح میں احتیاط واصطلاحات | محدثین دو حدیثوں میں فصل کی خاطر دائرہ بناتے تھے مسلسل نہیں لکھتے تھے، جو الفاظ، حدیث کی کتابوں میں بکثرت استعمال کیے جاتے تھے ان کی درج ذیل مختصر علامتیں مقرر کی گئی تھیں اور یہ طریقہ ان میں شائع ذائع تھا۔

حدثنا کی جگہ ثنا نا	فحینئذ ۔ فح
اخبرنا ۔ انا، ابنا	الی آخرہ ۔ الخ
قال ۔ ق	والمصنف ۔ المص
قال حدثنا ۔ قثنا	التحویل ۔ ح
المطلوب ۔ مط	البخاری ۔ خ
محال ۔ مح	مسلم ۔ م[2]
باطل ۔ بط	وحینئذ ۔ وح

اسی طرح حوالوں میں کتب حدیث کے ناموں کے لئے مختصر علامتیں استعمال کی جاتی تھیں۔[3]

کتابت وکتاب کی آرائش وزیبائش کی خاطر گل کاری کی جاتی پھول پتی اور بیل بوٹوں میں مفرد ومرکب دونوں قسم کے رنگ بھرے جاتے تھے، چنانچہ زرد، سرخ، گلابی، نیلا، زنگاری، عودی، سبز، گلگون، نارنجی،[4] یہ رنگ عہد عباسی میں خوشنویس برابر استعمال کرتے رہے تھے۔[5]

---

[1] مناہج العلماء فی البحث العلمی، ص ۷۴۔ [2] ایضاً، ص ۷۴ [3] اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ لابن الاثیر مصر المطبعۃ الوہبیہ، ۱۲۸۰ھ ج ۱ ص ۸ [4] رسالہ خط رضی الدین محمد قزوینی "ہنر ومردم" شمارہ ۸۵ (آبان ۱۳۴۸ ف) ص ۵۱ [5] اورنگ چین دیبی پرشاد بدایونی، کانپور، مطبعہ نظامی ۱۲۹۲ھ ص ۱۰، ۳۱

عہد عباسی میں رنگوں کے ذریعہ کتابوں کو ممتاز کیا جاتا اور ترتیب سے رکھا جاتا تھا، چنانچہ ابوبکر صولی المتوفی ۳۳۶ھ نے اپنے کتب خانے میں کتابوں کو رنگوں سے ممتاز کرکے رکھا تھا۔[1]

اسلامی قلمرو کے دیار مشرق ومغرب میں تیسری صدی ہجری کے نصف ثانی سے کتب خانوں کی رنگوں سے زینت بڑھائی جاتی تھی، کمروں کی چھت، الماری، غالیچے، پردے اور جلدوں میں رنگوں کی مناسبت کا خیال رکھا جاتا تھا، چنانچہ قاضی ابن فطیس قرطبی (۳۴۸-۴۰۲ھ) نے اپنے کتب خانے کے کمروں کی چھتوں، دیواروں، دروازوں، غالیچوں، پردوں، الماریوں اور جلدوں میں رنگوں کی مناسبت کو ملحوظ رکھا، اور امتیاز قائم کیا تھا۔[2]

مصاحف کی نقل اور علمی کتابوں کی کتابت واشاعت کا اہم ذریعہ وراقت کا پیشہ تھا، علما نے اس کو بہتر پیشہ قرار دیا، اور وراق کو اس نعمت کی قدر بھی بتائی تھی کہ وہ طلبہ اور اہل علم کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور جن کے متعلق گمان غالب ہو کہ وہ کاغذ علمی کتابیں لکھنے کے لیے خریدتے ہیں، انھیں ترجیح دیں، اصحاب ہویٰ اور خرافات لکھنے والوں کو کاغذ فروخت کرنے سے باز رہیں۔[3]

کاتبوں کا ضابطہ اخلاق | آج دنیا میں کسی ملک وقوم کے پاس کوئی ایسا قانون نہیں جو کاتبوں کو کتابت سے روک سکے اور انھیں حسن معاملہ کا پابند بنا سکے لیکن اسلام نے کتابت کو معاملات میں داخل کیا تاجر ومستاجر پر پابندیاں عائد کیں تاکہ معاشی دوڑ میں معاشرہ میں فساد راہ نہ پاسکے۔ وہ پابندیاں حسب ذیل تھیں۔

---

[1] تاریخ بغداد، ج ۳ ص ۴۳۱ [2] تاریخ قضاۃ الاندلس لابی الحسن بن عبداللہ النباہی المالقی القاہرہ دار الکاتب المصری، ۱۹۴۸ء ص ۸۸ [3] معید النعم ومبید النقم للسبکی تحقیق محمد علی النجار القاہرۃ دار الکتاب العربی ۱۹۳۸ء ص ۱۳۲۔

۱۔ کاتب وناقل پر لازم ہے کہ گمراہ کن اور غیر مفید کتابیں لکھنے سے باز رہے، اس میں اوقات عزیز برباد ہوتے ہیں، دین کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اسی طرح فحش لٹریچر، بدمستی و بدکاری کے موضوع پر کتابیں لکھنے سے گریز کرے، یہ عزت و آبرو کو پامال کرنے کا سبب ہوتی ہیں، نقل نویسوں کو ان باتوں سے بچنے کی ہدایت اس لئے کی جاتی ہے کہ دنیا دھوکہ دیتی ہے اور اکثر اوقات اس قسم کی کتابیں نقل کرنے والوں کو علمی کتابوں کے ناقلوں سے زیادہ اجرت پیش کی جاتی ہے، لہذا نقل نویسوں کو دنیا کے عوض دین فروخت نہیں کرنا چاہئے۔

نقل نویس خدا کا خوف نہیں کرتے، جلدی جلدی لکھتے ہیں کتاب جلد پوری کرنے کی خاطر نقل کرتے وقت بہت سی عبارتیں چھوڑ جاتے ہیں، حالانکہ معاملہ پوری کتاب کے نقل کا ہوتا ہے، ایسے نقل نویس علم کو برباد کرتے، اور خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں، کلام کو بے ربط بنانے کا جرم کرتے ہیں، مصنف کی تصنیف میں قطع و برید کا ارتکاب کرتے اور کلام میں چوری کرتے ہیں۔

فقہا میں، امام نووی نے تصریح کی ہے کہ کسی نے اجرت پر لکھوایا، پھر کاتب نے غلط لکھا یا عربی زبان میں لکھوایا، اور اس نے کسی عجمی زبان میں لکھا یا اس کے برعکس کیا تو اس پر کاغذ کی قیمت کا تاوان آجائے گا، اور وہ کسی قسم کی اجرت کا مستحق نہیں ہوگا، قریب قریب ایسی ہی بات امام غزالی نے فتاوی میں کہی ہے۔

علی بن عبد الکافی سبکی سے کسی نے فتوی لیا کہ کسی نے نقل نویس سے کتاب نقل کرنے کی بات طے کی، نقل نویس نے ایک سال تک نہیں لکھا، اور اس مدت میں اس کا خط بڑھیا ہوگیا، تو کیا اسے خط کے بڑھیا ہوجانے کی وجہ سے زیادہ قیمت طلب کرنے یا معاملہ فسخ کرنیکا حق ہے، موصوف نے فتوی دیا کہ دونوں باتوں کا اسے اختیار نہیں، سابقہ اجرت ہی پر لکھنا لازم ہے، جو نقل نویس سے اجرت پر لکھوائے، اس پر لازم ہے کہ وہ اوراق اور ہر صفحہ کی سطروں کا بھی تعین کرے،

اگر سیاہی متعین نہ کی ہو تو عادۃً جس سیاہی سے لکھا جاتا ہے، اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ اختلاف کی صورت میں وضاحت ضروری ہوگی، ورنہ معاملہ کالعدم قرار دیا جائے گا۔[۱]

کاتب وناقل کی شرطیں | جو شخص علوم فقہ، لغت، عربیت و اصول وغیرہ کی کتابیں نقل کرنا چاہتا ہے اس پر لازم ہے کہ اس نے ان فنون کو پڑھکر ان میں بصیرت پیدا کی ہو تاکہ وہ غلط، تحریف و تبدیل سے، الفاظ کو غلط پڑھنے، غلط لکھنے سے بچے، ایک باب کے دوسرے باب سے، سوال کے جواب سے فصل کے دوسری فصل سے، اصل کے فرع سے اور فرع کے اصل سے امتیاز کو تنبیہ کو فائدہ سے، سوال سائل کو اور معترض کے اعتراض کو خوب پہچانتا ہو، مقصد اور آخر کلام تک بات کو سمجھتا ہو، نقل کرتے وقت وہ ایک کلام کو دوسرے کلام سے مختصر فاصلہ پر جدا کرسکے اور دوسرے کے قول کو ایسے اشارہ سے نمایاں کرسکے جو اس کے امتیاز کی طرف رہنمائی کرسکے ورنہ وہ ناقل و ناسخ حاطب لیل ہے، جسے نہیں معلوم کہ کس وقت صبح نمودار ہوگی وہ ایسے سیلاب میں بہہ رہا ہے جسے صبح و شام کی خبر نہیں۔

جو تاریخ کی کتابیں لکھنا اور نقل کرنا چاہتا ہے اسے بادشاہوں کے نام، ان کے القاب، ان کے اوصاف اور کنیتوں کو جاننا چاہیے، خاص طور پر عجم، ترک و خوارزم کے بادشاہوں کے اس لئے کہ ان کے نام عربی نہیں ہیں، انھیں نقل کے ذریعہ جانا جاتا ہے، اس بنا پر چند رہنما اصول اور اشاروں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، ملک، شہر، دیہات، قلعے، نواح شہر، قصبے اور اقلیم کے ناموں کو جاننا اور ان اسمار کو جاننا جن میں خطی مشابہت اور تلفظ مختلف ہے، یا خطی و لفظی مشابہت ہے اور ان کی نسبت میں اختلاف پایا جاتا ہے واقفیت ناگزیر ہے، اگر ان میں امتیاز ملحوظ نہیں رکھا جائے گا، تو سامع کو الجھن ہوگی، اور واقعات سے

---

[۱] معید النعم، ص ۱۳۱-۱۳۲۔

اچھی طرح واقف نہیں ہو سکے گا، ناسخ وکاتب پر لازم ہے کہ وہ ان باتوں کو واضح کر کے لکھے۔

ناقل، شعار پر اوزان اور عربیت سے واقفیت بھی لازم ہے۔[1]

انہی وجوہ سے عہد عباسی کی نوشتہ کتابوں میں غلطیاں کم پائی جاتی ہیں اور اس دور کا ثقافتی ورثہ عام طور پر غلطیوں سے محفوظ رہا ہے، جن اقوام نے اپنے علمی ورثہ میں صحت کا اہتمام نہیں کیا، ان کا تحریری سرمایہ اغلاط سے پر رہا، چنانچہ پندرہویں صدی عیسوی کے وسط تک یورپ کو جو مسودات میسا تھے، وہ اغلاط سے پر تھے۔[2]

یہ وہ رہنما اصول ہیں جن سے آج بھی قلمی کتابوں کے نقل میں مفر نہیں۔

---

[1] نہایۃ الارب فی فنون الادب شہاب الدین احمد بن عبد الوہاب النویری، القاہرہ، مطبعۃ دار الکتب المصریہ ۱۳۵۱ھ ج ۹ ص ۲۱۴-۲۱۵
[2] The Encyclopaedia America-na - 198 - edn. Vol. 2 Page

بزم تیموریہ جلد اول

اس جلد میں شہنشاہ اکبر کے علمی ذوق اور علمی قدردانی کے سلسلہ میں اوسکے دربار کے گل سر سبد عبدالرحیم خانخاناں کی علم پروری، علم دوستی، سخن سنجی اور اوس کے علمی ذوق کا ذکر تفصیل کے ساتھ آیا ہے، وہ جس طرح شعرا کی تربیت کرتا تھا جسطرح فیاضی کا مینہ اون پر برساتا تھا جس طرح ان کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کرتا تھا، اس پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، اور اسی کے ضمن میں خود اوس کے دربار کے منسلک شعراء عرفی، شکیبی، حیاتی، ظہوری، ملک قمی، نظیری نیشاپوری، محتشم کاشی، رسمی، نوعی شیرازی وغیرہ جیسے اساتذۂ سخن کے مختصر حالات کے ساتھ اون کے ہر طرح کے کلام کا بہترین انتخاب بھی نیا ہے اس سے پہلے بابر اور ہمایوں کے علمی ذوق کے سلسلہ میں اون کے دربار کے ادبا، فضلاء اور شعراء کا ذکر اور ان کے کلام کا انتخاب ہے۔ قیمت :- ۲۶ روپیے۔

مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمن

علامہ برہان الدین مرغینانی

صاحب ہدایہ

از عبید اللہ کوثی ندوی، رفیق دار المصنفین

علامہ برہان الدین مرغینانی، ماوراء النہر کے چھٹی صدی ہجری کے ان اکابر فقہاء میں ہیں، جن کی تصنیف ہدایہ نے غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل کی ہے، ہدایہ کے بارے میں علامہ کمال الدین محمد طاش کبریٰ زادہ رومی (م ۱۰۳۰ھ) نے یہ رائے دی ہے کہ فقہ پر لکھی جانے والی یہ سب سے اہم کتاب ہے۔[1]

لیکن اس زمانہ کے دوسرے اہل علم کی طرح، علامہ مرغینانی کے حالات بھی زیادہ دستیاب نہیں، تاہم جس قدر فراہم ہو سکے ہیں، ذیل کی سطروں میں پیش کئے جاتے ہیں۔

اسم گرامی اور نسب نامہ علی نام اور ابو الحسن کنیت ہے، شیخ الاسلام برہان الدین کے لقب سے شہرت پائی۔[2] اپنی تصنیف کتاب التجنیس والمزید[3] اور الہدایہ کے آغاز میں اپنا نام اس طرح تحریر فرماتے ہیں: "ابو الحسن علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل"۔

مولانا عبد الحی فرنگی محلی نے یہ نسب نامہ لکھا ہے، "علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل بن الخلیل بن

---

[1] کشف الظنون نمبر ۲۰۳۸ مطبوعہ وکالۃ المعارف ترکی ۱۹۴۳ء [2] الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ مؤلفہ محی الدین عبد القادر قرشی مصری ج ۱ ص ۳۸۳ [3] کتاب التجنیس نسخہ قلمی دار المصنفین [4] الفوائد البہیہ ص

ابی بکر الفرغانی المرغینانی پھر لکھتے ہیں، کہ علامہ مرغینانی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نسل سے ہیں۔[1]

علامہ برہان الدین مرغینانی کا سنہ ولادت، زرکلی نے ۵۳۰ھ درج کیا ہے،[2] اکتفاء القنوع میں بھی یہی ہے،[3] لیکن یہ قطعاً درست نہیں، قیس بن اسحاق ابو المعالی المرغینانی سمرقند میں مقیم ایک صاحب علم اور باحیثیت شخص تھے، اور وہیں ۵۲۰ھ میں ان کا انتقال ہوا، ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ میرے اور انکے درمیان قرابت تھی، میں ان سے ملا ہوں انھوں نے مجھ کو چند اشعار سنائے یہ عربی اشعار صاحب ہدایہ نے اپنی معجم الشیوخ میں نقل بھی کئے ہیں،[4] ممکن ہے کہ صاحب ہدایہ کی ان سے یہ ملاقات ۵۲۰ھ سے کافی پہلے ہوئی ہو لیکن اگر یہ سمجھا جائے کہ قیس بن اسحاق سے انکی یہ ملاقات ۵۲۰ھ ہی میں ہوئی تھی تب بھی اس صراحت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ مرغینانی ۵۲۰ھ تک تو یقیناً تعلیم و تربیت کے اس مرحلہ میں پہنچ گئے تھے کہ عربی اشعار سمجھ کر دوسروں کو سنا سکتے تھے، انکے ادبی ذوق اور قوت حافظ کا یہ حال تھا کہ وہ ان اشعار کو اپنے حافظہ میں محفوظ بھی رکھ سکتے تھے، دوسرا سنہ ولادت، علاء الدین نبیرہ کے حوالہ سے مولٰنا فرنگی محلی نے اپنے اجداد کا نقل کردہ ۵۱۱ھ تحریر کیا ہے،[5] وہ لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام برہان الدین کی ولادت بروز دوشنبہ بعد نماز عصر ۸ رجب ۵۱۱ھ میں ہوئی،[6] اس لئے زرکلی کا یہ لکھنا کہ ان کی ولادت ۵۳۰ھ میں ہوئی صحیح نہیں،

وطن | شیخ قاسم بن قطلوبغا نے[7] اور مغل شہنشاہ بابر نے[8] (جو فرغانہ کا بھی حکمراں تھا) علامہ مرغینانی کا اصل وطن "رشدان" کو قرار دیا ہے۔

یہ رشدان صوبہ فرغانہ کے شہر مرغینان کا ایک دیہات ہے، لیکن اپنی مردم خیزی علمی و دینی حیثیت اور تمدنی اہمیت کی وجہ سے چوتھی صدی ہجری میں مرغینان سے زیادہ اہم اور عظیم تر تھا،[9] یاقوت حموی اور مقدسی بشاری[10] نے رشدان کے بجائے رشتان لکھا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قریب المخارج ہونے کی وجہ سے یہ دونوں ہی لفظ مستعمل رہے ہیں۔

---

[1] مقدمۃ الہدایہ ج ۳ ص ۲ [2] الاعلام ج ۲ ص ۲۰ [3] اکتفاء القنوع ص ۱۴۳ [4] الجواہر ج ۱ ص ۱۴۸ [5] مقدمۃ الہدایہ ج ۳ ص ۲ [6] تاج التراجم فی طبقات الحنفیہ ص ۳۱ [7] تزک بابری ص ۳ [8] معجم البلدان ج ۴ ص ۲۵۲ مطبوعہ مصر ۱۹۰۶ء [9] ایضاً

شیخ الاسلام برہان الدین کو دیہات، شہر اور صوبہ کی مناسبت ہی سے الفرغانی المرغینانی الرشدانی کہا جاتا ہے، فرغانہ صوبہ، ماوراء النہر کا ایک حصہ تھا، جس میں بخارا، بیکند، دبوسیہ، سمرقند، فاراب، شاش (تاشقند)، کاسان، ترمذ، کاشغر وغیرہ کی ریاستیں شامل تھیں،[1] اور یہ تمام علاقے علوم و فنون کے مرکز تھے، جن کی خاک سے بے شمار اہم شخصیتیں اٹھیں، فرغانہ بھی ایک اہم مرکز شمار کیا جاتا تھا، اس کے شہر مرغینان کے بارے میں یاقوت حموی نے خاص طور پر یہ شہادت دی ہے کہ

مرغینان ماوراء النہر میں فرغانہ کے اطراف کے معروف ترین شہروں میں ہے فضلاء اور اہل علم کی ایک بڑی تعداد وہاں پیدا ہوئی۔[2]

تعلیم و تربیت | غالباً صاحب ہدایہ کے والد بزرگوار کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا تھا، ان کے حالات پردۂ خفا میں ہیں، علامہ مرغینانی کی ابتدائی تعلیم اور تربیت و پرداخت ان کے جد مادری القاضی الامام عمر بن حبیب بن علی زندرامسی[3] کے یہاں ہوئی جو مرغینان میں قاضی کے منصب پر فائز تھے، شمس الائمہ امام سرخسی کے خاص تلامذہ میں شمار ہوتے تھے، شاعر تھے، فقہ و علم کلام میں تبحر فتوی اور قضا کے مسائل میں دقیق النظر عالم اور امام وقت تھے، تصنیف و تالیف کا ذوق رکھتے تھے، چنانچہ اپنے ایک استاد قاضی احمد بن عبد العزیز زوزنی کی کتاب مسائل الاسرار پر حاشیہ

---

[1] تقویم البلدان ص ۴۸۴ تا ۵۰۴ مطبوعہ پیرس ۱۸۴۰ء، [2] معجم البلدان ج ۸ ص ۲۰، [3] قرشی نے ایک اور موقع پر (ج ۲ ص ۳۱۳) اس کا تلفظ "ش" سے کیا ہے، یعنی زندراشی یاقوت حموی کی معجم البلدان ج ۴ ص ۴۰۹ میں "زندرامش" کو بھی بلاد ان والمکنہ کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے، لیکن وہ اس کا تلفظ بتلا کر رہ گئے، مزید تفصیل و تعیین نہیں کی، میرے خیال میں صاحب ہدایہ کے نانا کی زندرامس کی طرف نسبت مکانی نہیں بلکہ خاندانی ہے، ہندوستان میں نند خاندان ۴۱۳ ق م سے ۳۲۲ ق م تک یعنی ۹۰ برس حکمراں رہا، اور اس کے نو راجاؤں نے حکومت کی، یونانی مورخوں کے بقول اس خاندان کے آخری حکمراں کا نام "زندرامس" تھا، اس لئے یہ بات کچھ بعید نہیں کہ مؤلف ہدایہ کے نانا اسی زندرامس کی نسل سے ہوں، قدیم تاریخ ہند باب دوم ضمیمہ ب ص ۵۱ مولفہ ونسنٹ اے اسمتھ ترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد۔

بھی تحریر فرمایا تھا، صاحبِ ہدایہ کے مربی اور اولین استاد یہی تھے، جن سے انھوں نے علم کلام (جو منطق وفلسفہ، عقائد اور فرق وملل کے تقابلی مطالعہ پر مشتمل ہوتا تھا) عربی زبان وادب اور شعر وسخن کی تعلیم حاصل کی، ابھی وہ کم سن تھے کہ حسن آغاز اور غالباً تبرک کے طور پر، نانا نے ایک حدیث شریف ان کے سامنے پڑھی، بارگاہ الٰہی سے قوت حافظہ کی دولت عطا ہوئی تھی، چنانچہ وہ حدیث آخر عمر تک علامہ مرغینانی کو یاد رہی، فرماتے تھے، کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک روایت حدیث کے جواز کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ راوی حفظ حدیث کے زمانہ سے روایت حدیث کے زمانہ تک، اس کو نہ بھولا ہو، چنانچہ اس شرط کے مطابق میرے لیے اس روایت کو بیان کرنا جائز ہے،[1]

اسی دوران میں صاحبِ ہدایہ نے شیخ منہاج الشریعۃ محمد بن محمد بن الحسین سے استفادہ کیا فرماتے ہیں کہ میں نے اوائل عمر اور زمانہ کم سنی ہی میں شیخ سے پڑھا ہے، اور اس کے بعد بھی ۵۳۵ھ تک شیخ کے بحر علم سے مسلسل فیض حاصل کرتا رہا۔[2]

اپنے نانا قاضی عمر بن حبیب زندرامسی کے انتقال کے بعد، علامہ مرغینانی نے فقہ وعلم کلام کی مزید تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے صوبہ کے صدر مقام فرغانہ کے لئے رخت سفر باندھا،

فرغانہ یہاں امام ابوالحسن بزدوی کے براہ راست شاگرد، ابوالمعالی ظہیر الدین بن زیاد ابن الیاس کی مسند درس خاص طور پر شہرت رکھتی تھی، علامہ مرغینانی نے ان سے استفادہ کیا وہ اپنی فضیلت علمی کے باوجود خوش اخلاق اور منکسر مزاج تھے، شاگردوں کے ساتھ شفقت اور محبت کا معاملہ فرماتے۔[3] فرغانہ ہی کے ایک اور بزرگ عالم شیخ عثمان بن ابراہیم خواقندی سے بھی علامہ مرغینانی نے فقہ وغیرہ کا درس لیا اور اجازت پائی۔[4]

[1] الجواہر ج ۱، ص ۳۰۰ [2] الفوائد البہیہ ص [3] الجواہر ج ۱، ص ۳۴۵ بحوالہ معجم الشیوخ [4] ایضاً ج ۱، ص ۳۴۳

علامہ مرغینانی نے طلب علم کی راہ میں، سمرقند وبخارا کے علاوہ نیشاپور، مرو، بلخ وغیرہ کے سفر کئے، وہ حرمین اور بغداد وہمدان بھی گئے، اس سلسلہ میں وہ کہاں پہلے گئے، اور کہاں بعد میں، یا اساتذۂ مابعد سے استفادہ میں تقدم وتاخر کی نوعیت کیا رہی، یہ بتانا دشوار ہے، البتہ یہ بات یقینی ہے کہ عربی زبان وادب اور علم کلام وفقہ کی تعلیم مقدم تھی، اور حدیث وتفسیر کی موخر، مگر چونکہ صاحبِ ہدایہ نے ہر ایک فن کی تعلیم کئی کئی اساتذہ سے حاصل کی ہے، اس لئے شہروں ہی کی ترتیب سے صاحبِ ہدایہ کے اساتذہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مولانا فرنگی محلی، یا تذکرہ وسوانح کے دوسرے مصنفین نے صاحبِ ہدایہ کے چند ہی اساتذہ کا ذکر کیا ہے، لیکن حسن اتفاق سے شیخ محی الدین عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیئہ میں مختلف فقہا ومحدثین کے تذکرہ میں جابجا، صاحبِ ہدایہ کی کتاب معجم الشیوخ سے بھی اقتباسات لیے ہیں، جن سے صاحبِ ہدایہ کے دورِ طالب علمی اور ان کے اساتذہ پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

سمرقند نوجوانی ہی میں صاحبِ ہدایہ، سمرقند گئے، جہاں ان کے ایک قرابت دار قیس بن اسحاق ابوالمعالی (وفات ۵۲۰ھ) حیات تھے، وہ امام محمود بن عبداللہ جوزجانی کے شاگرد، اور امام ابوحفص عمر بن محمد نسفی کے استاد تھے،[1] ان سے ملاقات اور علمی استفادہ کے علاوہ، علامہ مرغینانی کے لیے امام زاہد، نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد نسفی (م ۵۳۷ھ) کی شخصیت خاص طور پر بڑی اہم تھی، وہ مفتی، فقیہ، محدث، مفسر، اور صاحب فضل تھے، ان کی روایت حدیث ۵۵۰ اساتذہ سے مروی تھیں، انھوں نے فقہ وحدیث پر کئی کتابیں لکھیں، جامع صغیر کو منظوم کیا، علامہ مرغینانی نے ان سے کچھ تصنیفات کی سماعت کی، اور امام ظہیر الدین محمد بن عثمان کی رفاقت میں ان سے خصاف کی کتاب المحاضرات کی

[1] جلد ۲ ص ۱۴۰

بھی سماعت کی۔ اور ان کے صاحبزادہ الامام المجد احمد بن عمر نسفی سمرقندی (شہید ۵۵۲ھ) سے بھی روایت حدیث کی اجازت حاصل کی۔[۱]

سمرقند ہی میں امام علی بن محمد بن اسماعیل اسبیجابی (م ۵۳۵ھ) حنفیہ کے ایک ممتاز عالم تھے، جو شیخ الاسلام کی حیثیت رکھتے تھے، علامہ مرغینانی نے ان سے فن تدریس اور اصول و کلام میں بہت زیادہ استفادہ کیا، زیادات کے کچھ فتاوے اور مبسوط اور جامع صغیر کا ایک حصہ پڑھا، انھوں نے علامہ مرغینانی کو علی الاطلاق افتار کی اجازت دی اور اس بارے میں شاندار تعریفی الفاظ استعمال کرتے ہوئے اپنی طرف سے تفصیلی سند بھی عنایت فرمائی۔[۲]

نیشاپور | یہاں امام نے شیخ صفی الدین ابو البرکات عبد اللہ بن محمد صاعدی سے درس لیا، اور ان کی تمام مرویات کی اجازت مطلقہ حاصل کی، شیخ صاعدی، خاندانی طور پر علم و زہد اور صلاح و تقوی کے وارث اور اسی ماحول کے پروردہ تھے۔[۳]

مرو | یہاں جن شیوخ سے علامہ مرغینانی نے استفادہ کیا وہ یہ ہیں،

۱۔ محمد بن ابی بکر الخطیب البوسنجی الامام الزاہد، انھوں نے اپنی تمام مسموعات کی روایت کرنے کی اجازت دی اور شیخ علی بن احمد الواحدی کی کتاب التفسیر الوسیط کا ایک نسخہ اپنے دست خاص سے نقل کرکے عنایت فرمایا۔[۴]

۲۔ شیخ ضیاء الدین محمد بن حسین یرسوخی، ان کو چار واسطوں سے امام مسلم بن الحجاج القشیری سے صحیح مسلم کی اجازت و روایت کا شرف حاصل تھا، چنانچہ انھوں نے صحیح مسلم اور اپنی تمام دیگر مسموعات کی صاحب ہدایہ کو اجازت دی اور اپنے دست خاص سے ۵۴۵ھ

۱ـ ایضاً ص ۳۹۵، ۲ـ ایضاً ج ۱ ص ۳۱۱، ۳ـ ایضاً ص ۲۰۰ ۴ـ ایضاً ج ۲ ص ۱۵ ۵ـ مولانا فرنگی محلی نے (جن کا ماخذ انکی تصریح کے مطابق زیادہ تر کفوی کی طبقات الحنفیہ ہی ہی) لکھا ہو کہ شیخ ضیاء الدین کو صحیح مسلم

میں یہ اجازت نامہ لکھ کر عنایت فرمایا، ان کی مسموعات میں کتاب التمہید (مولفہ امام سیف الدین ابو المعین میمون بن محمد مکحولی) کی اجازت و روایت بھی شامل تھی،[۱] ان ہی کے واسطہ سے امام ابو حنیفہؒ کی کتاب الرسالہ کی روایت بھی تنہا صاحب ہدایہ ہی کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے، جس میں امام ابو حنیفہؒ تک صرف نو واسطے ہیں،[۲]

۳۔ شیخ محمد بن الحسن بن مسعود، اپنی تمام کتابوں، مرویات و مسموعات کی اجازت اپنے قلم سے تحریر فرما کر دی، جس میں امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کی اجازت بھی شامل تھی،[۳]

۴۔ شیخ ابو الفتح محمد بن عبد الرحمن کشمیہنی مروزی، آپ تین واسطوں سے امام بخاری کے شاگرد اور روایت بخاری کے مجاز تھے، صاحب ہدایہ نے ان سے ۵۴۵ھ میں بخاری شریف کا بیشتر حصہ پڑھا اور باقی ماندہ کی بھی اجازت حاصل کی۔[۴]

بلخ | ۱۔ قاضی سعید بن یوسف حنفی مقیم بلخ، آپ سے علامہ مرغینانی نے روایت حدیث بھی کی اور اجازت مطلقہ عامہ بھی حاصل کی۔[۵]

۲۔ ابو شجاع ضیاء الاسلام عمر بن محمد بسطامی، بلخ کے مشائخ کبار میں تھے، اور بقول علامہ مرغینانی، ان کے پاس اسانید عالیہ تھیں اور وہ مختلف علوم میں کمال رکھتے تھے، وہ اور ان کے بھائی محمد بن محمد، حنفی مسلک کے فقیہ اور امام تھے، شیخ عمر بسطامی نے صاحب ہدایہ کو تمام مسموعات و مستجازات کی اجازت مطلقہ لکھ کر عنایت فرمائی۔[۶]

بخاریٰ | ۱۔ برہان الائمہ الصدر الشہید عمر بن عبد العزیز بن مازہ (م ۵۳۶ھ)، امام ابن امام اور

(بقیہ حاشیہ) کی روایت و اجازت امام مسلم سے تین واسطوں (عن محمد بن الفضل عن عبد الغافر الفارسی عن الجلودی) سے حاصل تھی دیکھو الفوائد البہیہ ص ۶۷

۱ـ الجواہر ج ۱ ص ۴۴۳ ۲ـ کتاب الرسالہ کی دریافت مولانا محمود حسن خاں ٹونکی کے ذریعہ ہوئی جسے انھوں نے اپنی کتاب معجم المصنفین ج ۲ ص ۱۹۲ مطبوعہ بیروت میں نقل کر دیا ہے، ۳ـ الجواہر ج ۲ ص ۴۹ ۴ـ ایضاً ج ۲ ص ۶۲ ۵ـ ایضاً ج ۲ ص ۶۲ ۶ـ ایضاً ج ۱ ص ۲۴۹ ۷ـ ایضاً ج ۱ ص ۳۹۱

بحرین بحر کہے جاتے تھے، فتاویٰ صغریٰ، فتاویٰ کبریٰ اور شرح جامع صغیر مطول، آپ کی تصنیفی یادگاریں ہیں، صاحب ہدایہ کے خصوصی اساتذہ میں ہیں، جن سے انھوں نے فلسفہ اور کلام دفقہ کی تعلیم حاصل کی[1]۔

۲۔ شیخ احمد بن عبدالعزیز، برہان الدین عمر بن مازہ کے برادر ہیں، ان کو ۴ واسطوں سے امام محمد کی شاگردی کا شرف حاصل تھا، انھوں نے صاحب ہدایہ کو السیر الکبیر اور اپنی تمام مسموعات اور مستجازات کی اجازت دی[2]۔

۳۔ شیخ محمد بن عبدالرحمٰن بخاری (م ۵۴۶ھ) یہ الزاہد العلا کے لقب سے معروف تھے، بقول سمعانی، فقیہ، مفتی، متکلم اور صاحب فضل تھے، ایک ہزار سے زیادہ اجزا پر مشتمل تفسیر قرآن لکھی، انھوں نے صاحب ہدایہ کو تمام مستجازات مسموعات اور مصنفات کی اجازت مطلقہ دی اور خود اجازت نامہ لکھ کر عنایت فرمایا[3]۔

۴۔ شیخ عثمان بن علی بیکندی، بقول امام سمعانی، بخاری میں شمس الائمہ سرخسی کے آخری شاگردوں میں تھے، یہ بھی صاحب ہدایہ کے مشائخ میں ہیں[4]۔

۵۔ علامہ سدید الدین ابو الرضا محمد بن محمود طرازی (م ۵۵۰ھ) صاحب ہدایہ نے ان کو بھی اپنے اساتذہ میں شمار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ بخاری میں انھوں نے مجھے تعلیم و اجازت سے سرفراز فرمایا[5]۔

مرغینان | غالباً، علامہ مرغینانی، سمرقند وغیرہ کے تعلیمی سفروں کے بعد دوبارہ مرغینان واپس آئے اور یہاں کے اکابر شیوخ سے انھوں نے خاص طور پر فن حدیث میں استفادہ کیا اور اجازت حاصل کی، چنانچہ انھوں نے، شیخ عبداللہ بن ابی الفتح الخانقاہی سے عمومی طور پر روایت حدیث کی اجازت لی[6]، شیخ فضل اللہ بن عمر ابو الفضل اسفورقانی کے یہاں بھی سماعت حدیث

لہ [1] الجواہر ج ۱ ص ۳۹۰، [2] ایضاً ج ۱ ص ۴، [3] ایضاً ج ۲ ص ۶۰، [4] ایضاً ج ۱ ص ۳۴۵، [5] ایضاً ج ۲ ص ۱۳۱
[6] ایضاً ج ۱ ص ۲۸۰

اور اجازت مطلقہ حاصل کی[1]، یہیں امام ظہیر الدین حسن بن علی مرغینانی بھی تھے، جو چار واسطوں سے امام ترمذی کے شاگرد تھے، ان سے صاحب ہدایہ نے ترمذی شریف کا درس لیا، اور اجازت لی[2]، اس کے علاوہ مرغینان ہی میں شیخ ضیاء الدین صاعد بن اسعد مرغینانی سے بھی ترمذی کا درس لیا، اور پھر اجازت پائی[3]۔

رشدان | یہ مرغینان ہی کا ایک گاؤں اور امام برہان الدین کا اصل وطن ہے یہاں ایک بار الامام الخطیب الزاہد محمد بن احمد الجادی تشریف لائے، امام برہان الدین کے یہاں قیام فرمایا، امام نے ان سے درس حدیث لیا، اور اجازت حاصل کی[4]۔

شیخ ابوبکر بن حاتم رشدانی، رشدان ہی کے باشندہ اور الحکیم الامام الزاہد کے لقب سے معروف تھے، صاحب ہدایہ نے ان سے بھی تعلیم حاصل کی جس کا انھوں نے اپنی معجم المشائخ میں ذکر کیا ہے، اور ان کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں[5]۔

اوش | شیخ الاسلام نصیر الدین محمد بن سلیمان اوشی اپنے علم و فضل کے علاوہ، زہد و عبادت میں بھی مشہور اور ممتاز تھے، اور زاہدوں میں شمار ہوتے تھے، انھوں نے اپنی تمام مسموعات کی اجازت خود اپنے دست مبارک سے لکھ کر، صاحب ہدایہ کو روانہ کی[6]۔

حرمین و ہمدان | ۵۴۴ھ میں صاحب ہدایہ نے شیخ الاسلام صفی الدین ابو حفص عمر بن عبدالمومن گجوادری بلخی کے ہمراہ سفر حج کیا، مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ اور پھر بعد میں ہمدان وغیرہ کی راہ سے سفر واپسی بھی ایک ساتھ ہوا، اس طویل سفر میں جو ایک سال سے زیادہ مدت تک جاری رہا، صاحب ہدایہ نے شیخ الاسلام صفی الدین سے درس حدیث لیا اور مختلف مسائل زیر بحث رہے

[1] الجواہر ج ۱ ص ۲۰۵، [2] ایضاً ج ۱ ص ۱۹۰، [3] ایضاً ج ۱ ص ۲۵۹، [4] ایضاً ج ۱ ص ۱۳
[5] ایضاً ج ۲ ص ۲۶۷، [6] ایضاً ج ۲ ص ۵۰

انھوں نے اپنے مرویات و مسموعات کی اجازت مرحمت فرمائی۔[۱]

بغداد مؤلف ہدایہ، اپنی کتاب التجنیس والمزید میں، اپنے بغداد کے سفر کا بھی ذکر کرتے ہیں جہاں انھوں نے شیخ برہان الدین ابوالحسن علی بن الحسن[۲] بن عبداللہ الغزنوی رح سے سماعت حدیث کی، شیخ کے لیے، انھوں نے الامام الاجل الزاہد کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔[۳]

دور طالب علمی پر ایک سرسری نظر طلب علم کی راہ میں صاحب ہدایہ نے، اپنے زمانہ کے مشہور علمی و دینی مراکز کا سفر کیا اور اپنے وقت کے مشاہیر علما و مشائخ سے استفادہ کیا، ان کا حافظہ ایسا تھا کہ بچپن میں جو کچھ یاد کر لیا وہ آخر عمر تک محفوظ رہا،[۴] وہ اپنی ذہنی و اخلاقی خوبیوں کی وجہ سے اپنے اساتذہ کے یہاں بھی لائق تحسین اور قابل تعریف قرار پائے، شیخ الاسلام اسبیجابی نے انھیں افتاء کی سند دی تو اس میں ان کے بارے میں تحسین کے الفاظ تحریر فرمائے اور ..... تفصیل سے ان کی خوبیوں کا ذکر کیا،[۵] برہان الائمہ الصدر الشہید، دور طالب علمی میں صاحب ہدایہ کا بے حد اکرام کرتے اور اپنے خاص خاص اسباق میں بھی ان کو اپنے مخصوص تلامذہ میں شمار کرتے اور وہ جہاں ضرورت سمجھتے اپنے اساتذہ کے سامنے بحث و تحقیق سے بھی کام لیتے۔[۶]

---

۱ الجواہر ج ۱ ص ۳۹۷ ۲ حافظ شمس الدین محمد بن علی داؤدی (م ۹۴۵ھ) نے شیخ کا نام اس طرح لکھا ہے، (شیخ علی بن الحسین بن عبداللہ الغزنوی الواعظ)، وہ لکھتے ہیں کہ شیخ غزنوی عربی و فارسی میں گفتگو کرتے تھے، خوش مزاج اور خوش گفتار تھے، فقہ و تفسیر سے واقفیت اچھی تھی، مروت و شرافت، سخاوت و بذل و عطا میں کامل اور مسلکاً حنفی تھے، مستظہر باللہ خلیفۂ عباسی کی اہلیہ نے ان کے لئے ایک رباط تعمیر کرا دی تھی، وزراء و اکابر بلکہ خود خلیفہ بھی ان کی خدمت میں حاضری دیا کرتے، شیخ غزنوی کا انتقال ۵۵۱ھ میں ہوا، ابن جوزی نے ان کو مائل بہ تشیع لکھا ہے، (دیکھئے داؤدی کی تصنیف طبقات المفسرین ج ۱ ص ۳۹۰ مطبوعہ شارع الجمہوریہ بعابدین)، ۳ کتاب التجنیس والمزید ص ۱ (نسخہ قلمی دارالمصنفین)، ۴ الجواہر ج ۱ ص ۳۷۰، ۵ ایضاً ج ۱ ص ۳۱، ۶ ایضاً ج ۱ ص ۳۹۱

انھوں نے عربی اور فارسی زبان و ادب،[۱] نحو و صرف اور علوم بلاغت و بیان، اصول فلسفہ و علم کلام، فقہ و حدیث و تفسیر، تربیت افتاء و تدریس اور فنون خلافیات و مناظرہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، ان کے ایک عزیز قیس بن اسحاق مرغینانی کا انتقال ۵۲۰ھ میں ہوا ہے۔ صاحب ہدایہ کی عمر اس وقت ۱۵، ۱۶ برس کی تھی، ملاقات اس سے بھی پہلے ہوئی ہوگی، انھوں نے صاحب ہدایہ کو عربی اشعار کے ذریعہ اپنا مخاطب بنایا، ان کے اساتذہ میں الصدر الشہید کا انتقال ۵۳۶ھ اور الاسبیجابی کا انتقال ۵۳۷ھ میں ہوا ہے، جب کہ وہ ۲۵، ۲۶ برس کے رہے ہونگے، اور زمانہ تلمذ تو یقیناً اس سے قبل کا ہے، ان حضرات سے مذکورہ علوم کی تحصیل اور عنفوان شباب ہی میں تعلیمی مراحل سے فراغت پالینے کے باوجود وہ ایک سچے طالب علم کی طرح، اصحاب کمال سے استفادہ کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے، خاص طور پر حدیث شریف سے ان کے تعلیمی شغف اور اس فن کی اسناد عالیہ کے حصول کی کوششوں کا ۵۴۵ھ تک سراغ ملتا ہے، جب کہ ان کی عمر ۳۴ برس کی تھی، حدیث و فقہ کی بعض خاص خاص کتابوں کا انھوں نے ایک سے زیادہ اساتذہ سے درس لیا ہے، اسی لئے علامہ جمال الدین بن مالک نے یہ رائے دی ہے کہ صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی آٹھ علوم کے ماہر تھے،[۲] وہ اپنے اساتذہ کی خصوصی توجہات کا مرکز رہے، چنانچہ اساتذہ نے اپنے اپنے دست خاص سے اسناد تعلیمی لکھ کر عنایت فرمائیں، الامام الزاہد محمد بن ابی بکر الخطیب البوسنجی نے التفسیر الوسیط للواحدی کا ایک نسخہ، خود نقل کر کے ان کے سپرد کیا۔[۳] ان کے اساتذہ میں وہ بھی ہیں، جو اپنے تدین اخلاص ذکر و عبادت اور للہیت کی بناپر "الزاہد" ہی کے لقب سے معروف تھے، مثلاً امام ابوبکر بن زیاد الزاہد الخطیب، ابوبکر بن حاتم الرشدانی، الامام الحکیم الزاہد، وغیرہ اس نسبت تلمذ سے

---

۱ دیکھئے کتاب التجنیس کے مختلف اوراق، ۲ الجواہر ج ۱ ص ۳۸۳ ۳ ایضاً ج ۱ ص ۳۵،

مولف ہدایہ کے ذہن و ذوق اور افتاد طبع کی بھی نشو ونما اچھی طرح ہوئی۔

ان کے اساتذہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کو چار چار واسطوں سے امام بخاری و امام مسلم، پانچ[1] واسطوں سے امام ترمذی، نو واسطوں[2] سے امام ابو حنیفہ اور ایک ایک واسطہ سے امام سرخسی اور امام ابوالحسن بزدوی کی شاگردی اور انکی کتب درروایت حدیث کی اجازت کا شرف حاصل رہا ہے، ان کے اساتذہ میں امام ابو حفص عمر بن محمد نسفی (م ۵۳۷ھ) کو ۵۵۰ اساتذہ سے روایت حدیث کی سعادت حاصل تھی، جن کے انتقال کے وقت صاحب ہدایہ ۲۶ برس کے تھے، اور ان سے تلمذ کا زمانہ یقیناً اس سے بھی پہلے کا ہے، کیونکہ شیخ اسبیجابی سے ان کو ۵۳۵ھ یا اس سے بھی پہلے تلمذ حاصل ہو چکا تھا، اور سمرقند میں صاحب ہدایہ کی آمد، مرغینان میں ان کے نانا کے انتقال کے بعد ہی، ان کی طالب علمی کے دوسرے دور میں ہوئی تھی،

عام کمالات علامہ مرغینانی مختلف علوم کے جامع، فقیہ، محدث، محقق، صاحب نظر عالم اور دقیقہ رس امام، زاہد و عابد، اصول شریعت میں باکمال، علوم عربیت میں ماہر ادیب و شاعر تھے، علم و ادب میں ان کا مثل نظر نہیں آتا، خلافیات میں انھیں بڑی مہارت تھی، اور حنفی مسلک پر انھیں کامل عبور تھا،[1]

ان کے معاصر ائمہ، امام زین الدین العتابی[2]، امام فخر الدین قاضی خاں محیط اور ذخیرہ کے مؤلف الصدر الامام محمود بن احمد بن عبدالعزیز، اور فتاویٰ ظہیریہ کے مؤلف ظہیر الدین محمد بن احمد بخاری[3]، وغیرہ نے امام برہان الدین مرغینانی کے فضل و مرتبہ کا اعتراف کیا ہے، وہ بہت جلد اپنے علم و تبحر کی وجہ سے اپنے شیوخ اور اقران سے بھی فائق ہو گئے، اور ہدایہ اور

---

[1] الفوائد البہیۃ ص ۱۵　[2] الجواہر ج ۱ ص ۳۴۴　[3] الفوائد ص ۱۵

کفایۃ المنتہی کی تصنیف کے بعد لوگوں کی نظروں میں اور بھی بلند ہو گئے،[1]

ادب و شاعری وہ عربی زبان کے ادیب و شاعر بھی تھے،[2] عربی زبان میں ان کی مہارت اور کمال انشا پردازی کا ثبوت ان کی تصنیفات خصوصاً ہدایہ ہے، ان کے شعری کمال کے بارے میں زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں، ان کے شاگرد برہان اسلام زرنوجی نے اپنی کتاب تعلیم المتعلم کی دوسری فصل میں لکھا ہے، کہ میرے استاد اور جلیل القدر امام نے ایک بار شعر سنایا۔

فساد کبیر عالم متہتک	واکبر منہ جاہل متنسک
ہما فتنۃ فی العالمین عظیمۃ	لمن بہما فی دینہ متمسک[3]

۱۔ دین کے بارے میں بے عمل عالم کا وجود بہت بڑا فتنہ ہے، اور اس سے بھی بڑا فتنہ جاہل عبادت گزار،
۲۔ دنیا میں یہ دونوں اس شخص کیلئے بہت بڑا فتنہ ہیں جو اپنے دین کے معاملہ میں انکی پیروی کرتا ہے۔

دور طالب علمی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ بہت سے ایسے اساتذہ ہیں جن سے میں استفادہ نہیں کر سکا، اس

لہفی علی فوت اللیالی لہفی	ما کل ما فات ویبقی بلغی[4]

زمانہ کی دی ہوئی فرصت کے ضائع ہو جانے پر افسوس ہے، ورنہ جو لوگ رہ گئے وہ ایسے نہ تھے کہ ان کو چھوڑ دیا جاتا۔

علامہ برہان الدین نے اپنے معجم الشیوخ میں، اپنے نانا عمر بن حبیب (الجواہر ۱/۳۹۰) شیخ عمر نسفی (۱/۳۹۲) شیخ ابوبکر بن حاتم رشدانی (۲/۲۶۲) شیخ ابوبکر بن زیاد مرغینانی (۲/۲۴۳) اور شیخ عبداللہ بن ابی الفتح الخاتقاہی المرغینانی (۱/۲۸۱) کے اشعار نقل کئے ہیں، ایک بار، ان کے استاد امام ضیاء الدین صاعد بن اسعد مرغینانی نے اپنے والد کا یہ شعر سنایا۔

اذا ضاق بی ذرع الکرام ولم اجد	تحولت عن تلک البلاد واہلہا

---

[1] الجواہر ج ۱ ص ۳۸۳　[2] الفوائد ص　[3] ایضاً ص ۵۸　ایضاً ص ۵۸

جب اہل کرم کے ہاتھ میرے لیے تنگ ہو جاتے ہیں اور بے نیل مرام رہ جاتا ہوں

تو میں اس علاقہ اور وہاں کے باشندوں سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہوں۔

مولف ہدایہ اپنے معجم الشیوخ میں مندرجۂ بالا شعر کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ معنی و مفہوم کے اعتبار سے مجھے مذکورہ شعر کے مقابلہ میں کسی شاعر کا درج ذیل شعر زیادہ پسند ہے،

اذا کنت فی دار یہینک اہلہا ولم تک مقبولا بہا فتحول[۱]

جس مقام کے باشندے تم کو کم تر سمجھیں اور تم ان کے لئے پسندیدہ خاطر نہ ہو تو اس جگہ سے کنارہ کش ہو جاؤ۔

زہد وتقویٰ اور فراست ایمانی

شیخ الاسلام برہان الدین، ہدایہ کی تصنیف میں تیرہ برس مصروف رہے، اس دوران میں وہ پابندی سے روزہ رکھتے اور اس بات کے لئے کوشاں رہتے کہ کسی کو ان کے روزہ کی خبر نہ ہو، ان کے اسی زہد وتقویٰ کا اثر ہے، کہ انکی یہ کتاب اہل علم میں مقبول ہوئی[۲] انکی تصنیف کے زمانہ میں، خادم کھانا لاتا تو اسے رکھکر چلے جانے کا حکم دیتے اور کھانا کسی طالب علم یا مہمان کو کھلا دیتے، خادم آکر برتنوں کو خالی پاتا تو یہ سمجھتا کہ آپ نے تناول فرما لیا ہے۔[۳]

صاحب ہدایہ کے سوانحی حالات کی کمیابی کی ایک وجہ، غالباً ان کی یہی اخفا پسندی بھی ہے، اتباع سنت کے سلسلے میں، اکابر فقہا و محدثین کا یہ معمول رہا ہے کہ جن امور سے متعلق قوی روایت نہ ہوتی ضعیف روایت ہی ملتی، یہ حضرات عام حالات میں اپنے ذوق وقیاس کے مقابلہ میں اس ضعیف روایت پر عمل کو ترجیح دیتے، چنانچہ مولف ہدایہ کے بارے میں ان کے ایک شاگرد برہان الاسلام زرنوجی اپنی کتاب تعلیم المتعلم میں لکھتے ہیں کہ وہ اپنے

---

۱ الجواہر، ۱/۲۶۰ ۲ کشف الظنون نمبر ۲۰۳۲ ۳ مقدمۃ الہدایہ ص ۳،

طلبہ کے اسباق کا آغاز، چہارشنبہ کے انتظار میں روکے رہتے، اور اس بارے میں ایک حدیث شریف بھی روایت کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

جو کام بدھ کے دن شروع کیا جائے، وہ پورا ہو کر رہتا ہے[۱]

مولانا فرنگی محلی نے اس روایت پر الفوائد البہیۃ میں تفصیل سے بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ اس حدیث کے مفہوم کی صحیح الاسناد روایات سے بھی تائید ہوتی ہے، انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مؤلف ہدایہ کے اس طرز عمل کی وجہ سے ہندوستان کے مدارس میں بھی، چہارشنبہ سے آغاز درس کا معمول ہو گیا۔[۲]

صاحب ہدایہ کی فراست ایمانی کا ایک عجیب واقعہ، حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے شیخ برہان الدین بلخی سے متعلق نقل کیا ہے۔ مولانا برہان الدین بلخی کہتے ہیں کہ میں تقریباً پانچ برس کا خورد سال بچہ تھا، اور اپنے والد کے ہمراہ کہیں جا رہا تھا، سامنے سے صاحب ہدایہ مولانا برہان الدین مرغینانی کی سواری آئی، میرے والد ہجوم کی وجہ سے دوسرے راستہ پر پڑ گئے، شیخ کی سواری قریب آئی تو میں نے بڑھ کر سلام کیا انھوں نے میری طرف تیز نظروں سے دیکھا، اور فرمایا کہ مجھے اس بچہ میں نور علم نظر آتا ہے، یہ بات سنکر میں ان کے آگے آگے چلنے لگا، پھر فرمایا، خدا مجھے یہ کہلواتا ہے کہ یہ بچہ اپنے عہد میں علامۂ زماں ہوگا[۳]......

...... میں نے یہ بات سنی اور شیخ کی سواری کے ساتھ چل پڑا۔ پھر فرمایا کہ "خدا مجھ سے یہ کہلواتا ہے کہ یہ لڑکا اس قدر عظیم ہوگا کہ بادشاہ اس کے دروازہ پر حاضری دیں گے۔"[۴]

برہان الدین محمود بن ابو الخیر بلخی (م ۶۸۶ھ) سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے اکابر علماء میں تھے، فقہ، حدیث اور دیگر علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع فنون رسمیہ وعرفیہ

---

۱ الجواہر ج ۱ ص ۳۸۴ ۲ الفوائد ص ۵۰ ۳ فوائد الفواد فارسی ص ۲۰۶ مطبوعہ لاہور ۴ ایضاً

کے ماہر، اور ادیب و شاعر تھے، امام صغانی سے مشارق الانوار کا براہ راست درس لیا تھا، حوض شمسی (دہلی) کے مشرقی جانب انکی قبر ہے۔[1]

فقہ کی طرف توجہ کا اصل سبب

علامہ برہان الدین کا اصل فن حدیث و فقہ تھا، جس میں انھوں نے غیر معمولی کمال حاصل کیا، اور ہدایہ جیسی عظیم کتاب تالیف فرمائی، فقہ کی طرف ان کی توجہ کا ایک خاص سبب یہ معلوم ہوتا ہے، کہ انھوں نے اپنے جد مادری کی آغوش شفقت میں اپنی تعلیم کا آغاز کیا تھا جو فقہ وکلام کے متبحر عالم اور امام سرخسی کے براہ راست شاگرد تھے، اور انھوں نے صاحب ہدایہ کو یہ نصیحت کی تھی کہ

تعلم یا بنی العلم وافقہ — وکن فی الفقہ ذا جہد ورائی
ولا تک مثل حبال تراہ — علی مر الزمان الی وراء[2]

۱۔ اے بیٹے علم سیکھو اور اس میں سمجھ پیدا کرو۔ اور فقہ کے بارے میں خاص طور پر غور و فکر اور محنت سے کام لو۔

۲۔ میں نے تمھاری اس وقت پرورش اور پرداخت کی ہے جب تم نحیف و نزار تھو جیسے رسیاں کہ وہ پھر دوبارہ کمزور ہونے لگتی ہیں۔

اس کے علاوہ، ان کے استاد، شیخ ظہیر الدین (زیاد بن الیاس ابو المعالی) جو براہ راست امام ابو الحسن بزدوی کے شاگرد تھے، ان سے استفادہ کرنے کے لئے قاضی محمد بن فضل اصبہانی نے صاحب ہدایہ کو بطور خاص، درج ذیل اشعار کے ذریعہ تاکید اور نصیحت کی تھی،

اسعد فقد نلت لقیا افضل الناس — ابی المعالی زیاد نجل الیاس

تم خوش قسمت ہو کہ لوگوں میں سب سے بہتر آدمی الیاس کے فرزند زیاد ابو المعالی سے تمھاری ملاقات ہو گئی ہے[3]

---

[1] تذکرۂ علمائے ہند، تحقیق و ترجمہ ایوب قادری، ص ۱۳۰ [2] الجواہر، ج ۱، ص ۳۹۰۔

وانزل بنادیہ تلقی المجد مبتسما — والفضل فی نفحات الورد والآس

ان کی مجلسوں میں وقت گذارو، مہکتی اور تبسم ریز ہواؤں میں تم عزت اور شرف پاؤ گے،

ولذ بہ من زمان جائر نکد — فما لجرح اللیالی غیرہ آسی

زمانہ کی ستم رانیوں سے بچنے کے لیے ان کی پناہ لو، اس لئے کہ زمانہ کے زخموں پر وہی غم خواری کریں گے

ان لم تحط بمداہ فی فضائلہ — فقسہ فالشئ قد یدری بمقیاس

فضائل و مناقب میں ان کا احاطہ نہ کر سکو تو بھی ان کی مثال سامنے رکھو پیمانہ سے ہر ایک چیز کو سمجھا جا سکتا ہے۔

جود البرامکۃ فی نطق ابن ساعدۃ — فی حکم احنف فی فضل ابن عباس[5]

وہ برامکہ کی طرح سخی، ابن ساعدہ جیسے فصیح، احنف کی طرح منصف اور ابن عباس کی طرح نفس والے ہیں

صاحب ہدایہ کے معاصرین اور فقہ میں علامہ مرغینانی کا مقام،

ماوراء النہر، اور عالم اسلام کے دوسرے حصوں میں صاحب ہدایہ کے اہم معاصر علماء یہ ہیں۔

احناف میں امام ابوبکر بن مسعود کاسانی مصنف البدائع والصنائع (م ۵۸۷ھ)، امام فخر الدین حسن قاضی خان مؤلف فتاوی وغیرہ (م ۵۹۲ھ) شافعی علماء میں امام ابراہیم ابن منصور عراقی مصری شارح المہذب (م ۵۹۶ھ)، اور علامہ ابن ابی عصرون تیمی موصلی مؤلف صفوۃ المذہب (م ۵۸۳ھ) اور مالکی علماء میں علامہ محمد بن رشد مؤلف بدایۃ المجتہد (م ۵۹۵ھ)

علامہ ابن رشد، اگرچہ مالکی مسلک کے پیرو ہیں لیکن انھوں نے بدایۃ المجتہد میں تمام مذاہب

---

[5] الجواہر ج ۱، ص ۲۴۶

فقیہ کے دلائل اور ان کے طریقۂ استنباط سے بحث کی ہے، ان کی بحثوں کا انداز مجتہدانہ ہے۔ پھر بھی وہ اپنی اس کتاب میں فقیہ کے بجائے ایک محدث کی حیثیت سے زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں، ان کے علاوہ مذکورہ بالا بقیہ فقہار، اپنے اپنے مسلک کی تشریح اور اپنے ائمہ کے اصول و قواعد کی روشنی میں تخریج اور ترجیح کے عمل میں مصروف نظر آتے ہیں، صاحب ہدایہ نے بھی، علامہ ابن رشد کی طرح فقہ کے دیگر مکاتب فکر اور ان کے دلائل بیان کئے ہیں، لیکن ان کا کام ابن رشد کے مقابلہ میں تین حیثیتوں سے ممتاز نظر آتا ہے،

۱۔ خالص قانونی اور فقہی ترتیب اور انداز بیان، (۲) قرآن و حدیث اور اصول اجتہاد کی روشنی میں فقہ حنفی کی ترجیح، (۳) نقلی دلائل کے ساتھ ہی عقلی دلیلوں اور امور عامہ سے استدلال۔

مولانا انور شاہ کشمیری فرماتے تھے، کہ صاحب ہدایہ کا درجہ اس قدر بلند ہے کہ درمختار کے مؤلف جیسے ہزار فقیہ بھی ان کے مقام بلند تک نہیں پہنچ سکتے، ہدایہ کے مولف فقیہ النفس ہیں، جن کا سینہ علم و معرفت کا گنجینہ ہے، اور درمختار کے مؤلف کا علم اوراق و کتب کا مرہون منت ہے، ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا (مقدمۃ نصب الرایہ ص ۱۴)

اجتہاد، تخریج، ترجیح اور جمع و تدوین مسائل کے لحاظ سے اہل فقہ نے فقہار کی درجہ بندی کی ہے جس سے ان کے مقام و مرتبہ کے تعین میں آسانی ہو جاتی ہے۔

شیخ احمد بن سلیمان بن کمال پاشا (م ۹۴۰ھ) علامہ ابن عابدین شامی کے نزدیک[1] امام جلال الدین سیوطی سے زیادہ دقیقہ رس اور صاحب فہم و نظر عالم تھے، اور متاخر فقہار احناف میں ان کی آرار و تحقیقات کو نظر اعتبار سے دیکھا گیا ہے، ابن کمال پاشا نے اپنے

[1] رد المحتار ج ۱ ص ۲۸۔

ایک "رسالۃ الوقف" میں "فقہار کی جو درجہ بندی" کی ہے، اس کو علامہ علی القاری نے اپنی کتاب مناقب ابی حنیفہ میں نقل کیا ہے[1]، ہم یہاں اس کے خلاصہ ہی پر اکتفا کریں گے، وہ لکھتے ہیں کہ:

علامہ ابن کمال پاشا نے فقہار کو سات طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ مجتہدین فی الشرع، جن کو مجتہد مستقل بھی کہتے ہیں جیسے ائمہ اربعہ،

۲۔ مجتہدین فی المذہب، جن کو مجتہد منتسب بھی کہا جاتا ہے، جیسے امام ابو یوسف، امام محمد اور امام مزنی وغیرہ۔

۳۔ مجتہدین فی المسائل، جیسے خصاف، ابو جعفر طحاوی، ابو الحسن کرخی، شمس الائمہ سرخسی، شمس الائمہ حلوانی، فخر الاسلام بزدوی، فخر الدین قاضی خاں وغیرہ۔

۴۔ اصحاب تخریج، جیسے امام ابو بکر جصاص رازی وغیرہ۔

۵۔ اصحاب ترجیح، جیسے امام ابو الحسن قدوری، امام برہان الدین مرغینانی مؤلف ہدایہ وغیرہ۔

۶۔ اصحاب تمیز و تصحیح، مثلاً کنز و درمختار، وقایہ و مجمع[2] وغیرہ کے مؤلفین،

۷۔ مقلدین غیر متمیزین، جن کے لیے قوی اور ضعیف میں تمیز اور وجوہ تصحیح کو سمجھنا ... دشوار ہے

مذکورۂ بالا تقسیم میں قاضی خاں کو تیسری قسم میں اور صاحب ہدایہ کو پانچویں قسم میں شمار کیا گیا ہے لیکن مولانا عبد الحی

مذکورہ بالا تقسیم پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ صاحب ہدایہ کسی طرح بھی قاضی خاں سے کم نہیں، دلائل کی پرکھ اور مسائل کے استنباط میں، صاحب ہدایہ واقعی کتنے بلند ہیں، اسی لئے وہ اجتہاد فی المذہب کے رتبہ کے زیادہ مستحق ہیں، اور مجتہدین فی المذہب میں ان کو شمار کرنا ہی قرین عقل ہے[3]۔

[1] مناقب ابی حنیفہ (ذیل الجواہر المضیئۃ ج ۲ ص ۵۵۹) اور الفوائد البہیۃ حاشیہ ص ۳ ص ۵، معجم المصنفین ۵ ص ۱۵۲ ۱۵۳۔ [2] مراد مجمع البحرین ہے مولفہ شیخ مظفر الدین احمد بن علی بغدادی (م ۶۹۴ھ)۔ [3] الفوائد ص ۵۔

مولانا فرنگی محلی نے صاحب ہدایہ کو دوسرے طبقہ "مجتہدین فی المذہب" یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہ کی صف میں جگہ دی ہے، لیکن یہ بات محل نظر ہے، مفتی احمد بن کمال پاشا نے دوسرے طبقہ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ :-

دوسرا طبقہ مجتہدین فی المذہب کا ہے، جیسے ابو یوسف، محمد اور باقی تلامذہ ابو حنیفہ رحمہم۔ یہ لوگ قرآن وحدیث اور اجماع وقیاس سے ان اصول کی روشنی میں مسائل کا استنباط کرتے ہیں جو امام ابو حنیفہ نے مقرر کر دیئے ہیں، انھوں نے اگرچہ بعض فروعی مسائل میں امام سے اختلاف کیا ہے لیکن بنیادی اصول میں وہ امام کی تقلید کرتے ہیں، اور اس طرح وہ امام شافعیؒ وغیرہ سے مختلف ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ امام شافعی اور ان کی طرح کے دوسرے ائمہ، امام ابو حنیفہؒ سے صرف اصول ہی میں نہیں بلکہ مسائل اور فروع میں بھی اختلاف رکھتے ہیں۔

علامہ مرغینانی کی تصنیفات ہدایہ وغیرہ کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اصول وفروع دونوں میں اپنا استقلال ظاہر نہیں کیا، اس لئے ان کو مجتہدین فی المذہب کے طبقہ میں شمار کیا جانا درست نہیں، وہ تو مجتہدین فی المسائل یعنی تیسرے طبقہ تک کی تصریحات کے پابند نظر آتے ہیں یہاں تک کہ وہ رائے جس میں دو پہلوؤں میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ واضح نہ ہو یا ایسا مبہم حکم جس میں دو باتوں کا احتمال نکلتا ہو، اس میں تفصیل وتعیین بھی (جو چوتھے طبقہ یعنی اصحاب تخریج کی خصوصیت ہے) صاحب ہدایہ خود نہیں کرتے بلکہ کذا فی تخریج الکرخی، اور کذا فی تخریج الرازی وغیرہ جیسے الفاظ کے ذریعہ دوسروں ہی کی تخریجات نقل کر دیتے ہیں۔ ان کے یہاں اوفق للقیاس، وہٰذا ارفق للناس کے الفاظ بکثرت ملتے ہیں، جو اس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ وہ اصحاب ترجیح میں سے ہیں، اور جن مسائل میں ائمہ اجتہاد یا اصحاب

تخریج کی کئی روایتیں منقول ہیں، صاحب ہدایہ ان میں سے کسی ایک رائے کی ترجیح واضح کر دیتے ہیں، اور کہیں کہیں وجوہ ترجیح کی طرف اشارہ بھی فرما دیتے ہیں، شیخ شہاب الدین ابن بہاء الدین مرجانی (م ۱۳۰۶ھ قازان) اپنی کتاب (ناظورۃ الحق فی فرضیۃ العشاء وان لم یغب الشفق) میں لکھتے ہیں کہ

صاحب ہدایہ کا مقام، قاضی خاں سے فروتر نہیں، صاحب ہدایہ کی تو امام فخر الدین قاضی خاں وغیرہ نے بھی تعریف کی ہے اور یہ اقرار کیا ہے، کہ وہ اپنے شیوخ اور ہم زمانہ لوگوں پر تفوق اور امتیاز رکھتے تھے، اس لئے صاحب ہدایہ کو قاضی خاں کے مقابلہ میں فروتر حیثیت (پانچویں طبقہ میں) دینا صحیح نہیں، اس لئے کہ اجتہاد، اس کے اصول اور طریقۂ کار کے معاملہ میں صاحب ہدایہ، قاضی خاں سے بڑھکر ہیں۔ (ملخصاً)[1]

لیکن شیخ مرجانی کی اس گفتگو سے صرف اتنا واضح ہوتا ہے کہ قاضی خان کو تیسرے طبقہ میں شمار کرنا ہی اصل میں محل نزاع ہے، اس موقع پر ہمیں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ فقہائے احناف نے چوتھی صدی ہجری کے بعد کیا اجتہاد فی الشرع یا اجتہاد فی المذہب کا طریقہ اختیار کیا تھا یا یہ کہ انھوں نے صرف اپنے ائمہ کے اصول وفروع کے مطابق تخریج اور ترجیح ہی کی راہ اختیار کی تھی، علامہ طاش کبریٰ زادہ (م ۹۶۲ھ) اپنی کتاب مفتاح السعادۃ میں لکھتے ہیں کہ

"قدیم فقہاء جو دوسری اور چوتھی صدی ہجری کے درمیان ہوئے ان میں اجتہاد اور ترجیح کا پہلو غالب ہے اور متاخر فقہاء جو چوتھی صدی ہجری کے بعد ہوئے ان میں صرف ترجیح ہی کو وصف غالب کی حیثیت حاصل ہے۔"[2]

---

[1] حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی ص ۹۲ للکوثری مطبوعہ قاہرہ ۱۳۶۸ھ،

[2] کشف الظنون نمبر ۱۲۸۳۔ عنوان علم الفقہ،

اس لئے چوتھے اور پانچویں طبقے میں شمار کئے جانے والے اکابر فقہاء بھی، اگرچہ کبھی اجتہاد فی المسائل بھی کرتے رہے ہوں مگر ان پر تخریج اور ترجیح کا فقہی رنگ ہی غالب اور نمایاں تھا، جس طرح کہ وہ لوگ جن کو تیسرے طبقہ میں شمار کیا گیا ہے، ان کا بھی وصف غالب یہی ہے، اس لئے ان تینوں طبقات کی تقسیم یا ان میں فرق مراتب کی ضرورت نہ تھی، تینوں کو باآسانی مجتہدین فی المسائل کے طبقۂ سوم میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

تلامذہ و مستفیدین قرشی نے لکھا ہے کہ علامہ مرغینانی کے ذریعہ ماوراء النہر (جس کا ایک صوبہ فرغانہ بھی تھا) میں حنفی فقہ کی نشر و اشاعت ہوئی، اور کثیر تعداد نے ان سے استفادہ اور ان کی تعلیم و تدریس کے ذریعہ کمال پیدا کیا،[۵۰] ہم یہاں چند لوگوں کے نام درج کرتے ہیں،

۱۔ شمس الائمہ محمد بن عبد الستار کردری، (الجواہر ج ۲ صفحہ ۸۲)

۲۔ شیخ جلال الدین محمود بن الحسین استروشنی (جو الفصول الاستروشنیہ کے مؤلف مفتی محمد کے والد گرامی ہیں) الفوائد البہیۃ۔ صفحہ ۵۰،

۳۔ القاضی الامام عمر بن محمود بن محمد (الجواہر جلد ۲ صفحہ ۳۹۹)

۴۔ قاضی القضاۃ محمد بن علی بن عثمان سمرقندی (الجواہر جلد ۲ صفحہ ۹۴)

۵۔ امام ابو الفضائل فخر الدین المجد بن نصر دہستانی، (الجواہر جلد ۲ صفحہ ۱۵۱)

۶۔ برہان الاسلام زرنوجی مؤلف تعلیم المتعلم (الفوائد صفحہ ۵۰، الجواہر جلد ۲ صفحہ ۳۸۴)

ان تلامذہ میں، علامہ مرغینانی کے صاحبزادے بھی ہیں، جن کا آئندہ سطروں میں ذکر کیا جا رہا ہے،

اولاد و احفاد علامہ مرغینانی کے صرف دو صاحبزادے تھے۔

۱۔ شیخ الاسلام نظام الدین ابو حفص عمر بن علی، اپنے والد گرامی سے تعلیم حاصل کی فقہ میں

---

[۵۰] الجواہر جلد ۱ صفحہ ۳۸۳۔

خاص طور پر کمال حاصل کیا، اور افتاء کے منصب پر فائز ہوئے۔[۵۱] جواہر الفقہ اور الفوائد انہی کی تالیفات ہیں،[۵۲] (۲) ابو حفص محمد بن علی الملقب بہ عماد الدین، یہ بھی اپنے والد سے مستفید ہوئے، اور فقہ میں امتیاز پیدا کیا،[۵۳] ان کو بھی شیخ الاسلام کا رتبہ حاصل تھا، کتاب ادب القاضی ان ہی کی تصنیف ہے[۵۴]

شیخ عبد القادر قرشی کی تصریح کے مطابق علامہ مرغینانی کے دو صاحبزادے تھے،[۵۵] لیکن مولانا فرنگی محلی نے از راہ سہو، تیسرے صاحبزادے کا بھی ذکر کیا ہے، اور ان کا نام اس طرح لکھا ہے "ابو الفتح جلال الدین محمد،[۵۶] لیکن محمد تو ان ہی صاحبزادہ کا نام ہے، جو عماد الدین کے لقب سے معروف تھے،[۵۷] شیخ قاسم بن قطلوبغا نے تاج التراجم (صفحہ ۱۳۰) میں ابو الفتح بن ابی بکر بن عبد الجلیل المرغینانی السمرقندی کا ذکر کیا ہے، لیکن جیسا کہ ان کے نسب نامہ ہی سے ظاہر ہے کہ وہ صاحبزادہ نہ تھے، بلکہ صاحب ہدایہ کے برادر تھے، جن کا انتقال ۶۲۱ھ میں ہوا ہے،

شیخ الاسلام برہان الدین مرغینانی کے ایک پوتے یعنی شیخ عماد الدین محمد بن علی مرغینانی کے صاحبزادہ، زین الدین عبد الرحیم، فقہ میں بڑی ممتاز حیثیت اور شہرت کے مالک تھے، انھوں نے "الفصول العمادیۃ" جیسی مشہور کتاب لکھی جس کی تکمیل شعبان ۶۵۱ھ میں سمرقند میں ہوئی، ان کی بھی کنیت ابو الفتح تھی،[۵۸]

تیمور لنگ نے جب سمرقند پر قبضہ کیا ہے، اس وقت مولانا عبد الملک سمرقند کے ایک معروف فقیہ بھی حیات تھے، ان کے بارہ میں ابن عرب شاہ اپنی کتاب عجائب المقدور

---

[۵۱] الجواہر ج ۱ ص ۳۹۴ [۵۲] الفوائد البہیۃ ص ۶۰، کشف الظنون نمبر ۱۲۹۴، اور نمبر ۶۱۵ [۵۳] الجواہر ج ۲ ص ۹۹ [۵۴] الفوائد البہیۃ ص ۵۹ [۵۵] الجواہر ج ۱ ص ۳۸۴ [۵۶] الفوائد البہیۃ ص ۵۰ و ص ۴۸، [۵۷] الجواہر ج ۲ ص ۹۹ [۵۸] الفوائد البہیۃ ص ۵، حاشیہ نمبر ۵، تفصیلی حالات کیلئے دیکھئے الفوائد ص ۴۰،

(مطبوعہ ۱۸۶۶ء) میں لکھا ہے کہ

وہ مولف ہدایہ کی نسل سے ہیں ایک ہی وقت میں درس بھی دیتے، شطرنج اور نرد کے بارے میں بتلاتے رہتے اور اشعار بھی موزوں کرتے جاتے۔[۵]

ان کے بعد انھیں کے برادر عم زاد خواجہ عبدالاول، درس و تعلیم کی مسند پر پورے ماوراء النہر میں صدر نشین کی حیثیت رکھتے تھے، اور جب ان کا بھی انتقال ہو گیا تو مولانا عبدالملک کے صاحبزادہ مولانا عصام الدین، ماوراء النہر میں درس و تعلیم کے سب سے بڑے اور آخری مرجع کی حیثیت سے مشہور و ممتاز اور عجائب المقدور کی تالیف کے وقت حیات تھے۔[۱]

انتقال اور تدفین شیخ الاسلام برہان الدین مرغینانی کا زیادہ تر قیام سمرقند ہی میں رہا اور بالآخر، انھوں نے تعلیم و تدریس، افتاء وارشاد، تصنیف و تالیف اور ذکر و عبادت میں مصروف زندگی گزارنے کے بعد ۵۹۳ھ میں سمرقند میں ہی انتقال فرمایا،[۲] جب کہ سہ شنبہ کی شب اور ذی الحجہ کی ۱۴ تاریخ تھی،[۳]

سمرقند کے شہر ماکردین میں تربۃ المحمدین قبرستان میں ۴ سو سے زیادہ صاحب تصنیف وافتا اہل علم مدفون تھے، جن کا نام "محمد" تھا اور ان سے لوگوں نے بڑی تعداد میں استفادہ کیا تھا، علامہ مرغینانی کو اسی قبرستان میں دفن کرنے کی کوشش کی گئی، مگر چونکہ وہاں دفن کرنے کے لئے نام والی شرط پوری نہ ہوتی تھی، اس لئے قبرستان کے ذمہ داروں نے تدفین کی اجازت نہ دی، چنانچہ علامہ مرغینانی کو اس کے قریب ہی دفن کر دیا گیا۔[۵]

---

[۱] عجائب المقدور فی اخبار تیمور (تاریخ تیموری) ص ۴۶۴ مؤلفہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عبداللہ دمشقی انصاری [۲] ایضاً [۳] الجواہر ۳، ص ۴ [۴] الفوائد التراجم ص ۳۱، کشف الظنون نمبر ۲۰۳۲ [۴] مقدمۃ الہدایہ ص ۲، کشف الظنون، [۵] الجواہر ۳ ص ۴ مقدمۃ الہدایہ ص ۲،

تلخیص و تبصرہ

گوتم بدھ کی تعلیمات

از

سری نیواس لاہوٹی

جناب سری نیواس لاہوٹی، حیدرآباد اور اندھرا پردیش میں اردو زبان کی ترویج کے بہت ہی مخلص اور سرگرم رہنما ہیں، انھوں نے مہاتما گوتم بدھ کی تعلیمات کا خلاصہ لکھ کر بھیجا ہے، امید کہ معارف کے وہ ناظرین جو بودھ مت کی تعلیمات سے زیادہ واقف نہیں ہیں، اس کو شوق سے پڑھیں گے۔ "ص۔ ع"

آج سے کوئی ڈھائی ہزار سال پہلے یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ سے کوئی چھ سو سال قبل ہندوستان سے لے کر چین، ایران اور یونان تک مختلف ملکوں میں بڑے بڑے لوگ، بڑے بڑے فلسفی اور مذاہب کے بانی پیدا ہوئے تھے، اگرچہ یہ سب ہمعصر نہ تھے، لیکن ان کا دور اتنا قریب قریب گذرا ہے کہ چھٹی صدی قبل مسیح کو تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہو گئی ہے، اس زمانے میں دنیا میں مذہبی فکر کی ایک لہر دوڑ رہی تھی، یونان میں فیثاغورث، ایران میں زرتشت، چین میں کنفوشیش اور ہندوستان میں گوتم اور مہاویر جیسے بانیان مذاہب کی پیدائش کا سہرا تاریخ میں اسی دور کو حاصل ہے، کیونکہ مذاہب کے یہ بڑے بڑے بانی ہمیشہ بہتری کی تلاش میں رہے، اور اپنی قوموں کی حالت بدلنے، انھیں بہتر بنانے، اور ان کی مصیبتوں کو دور کرنے کی جستجو کرتے رہے، اور اس میں

انھیں کامیابی حاصل ہوئی، ان میں سے ہر ایک کے اثرات ان کے ملک ہی تک محدود نہیں رہے، بلکہ اقصائے عالم میں صورتیں اور نام بدل بدل کر پہنچے، لیکن ان عظیم ہستیوں میں گوتم بدھ کو ان کی تعلیمات کی وجہ سے انفرادی حیثیت حاصل ہے۔

بدھ کی پیدائش کے وقت ہندوستان میں ویدک دھرم پھیلا ہوا تھا، جس کی بنیاد طبقہ واریت پر تھی، اور برہمن چاہتے تھے کہ رائج الوقت معاشرے میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہو، ان کا نظریہ اعمال یہ تھا کہ برہمن یگینہ کریں، چھتری جنگ لڑیں، ویشیہ کھیتی باڑی اور تجارت سنبھالے رہیں اور شودر ان سب کی خدمت گزاری کریں، جنھیں یہ نظریہ اعمال پسند نہ ہوں وہ جنگل میں جاکر تپسیہ کریں اور وہیں فنا ہو جائیں، کسی فرد کو اس وقت یہ اختیار حاصل نہیں تھا کہ وہ اس معاشرے میں کوئی تبدیلی لائے، کیونکہ ذاتوں کا بندھن بڑا سخت تھا، اور عام آدمی توہمات کا شکار رہتا، اور مذہبی ٹھیکیداروں نے عوام کو اپنی مٹھی میں بند رکھا تھا، اور وہ حکمرانوں کو بھی چیلنج کرنے لگے تھے جس کی وجہ سے ویدک دھرم اپنی اصلی تعلیم سے ہٹ گیا تھا، اس کے برخلاف گوتم بدھ عوام کے سامنے مصلح کی حیثیت سے نمودار ہوئے، اور انھوں نے پروہتوں (مذہبی ٹھیکیداروں) کے اس ظلم اور ان تمام برائیوں کے خلاف جو ویدک دھرم میں داخل ہو گئی تھیں آواز اٹھائی انھوں نے اس پر زور دیا کہ پاکیزہ زندگی بسر کرنا اور نیک کام کرنا انسان کا بنیادی حق ہے۔

گوتم بدھ کا جنم جدید تحقیقات کی روشنی میں ۶۲۳ قبل مسیح قرار پاتا ہے، ان کی پیدائش کے (۳۱۹) سال بعد اشوک نے اس جگہ ایک کتبہ نصب کروادیا، جو آج بھی اس واقعہ کی تاریخی شہادت پیش کرتا ہے، یہ ایک چھتری اور شاہی خاندان کے چشم و چراغ تھے، ان کا نام سدارتھ اور ان کی والدہ کا نام مایا رانی تھا، جن کے متعلق تاریخ شاہد ہے کہ ہر شخص دل سے ان کا احترام کرتا تھا، اور وہ اپنے عقیدے کی بڑی پابند خاتون تھیں، گوتم کے والدین نے انھیں بڑے ناز و نعم سے پالا تھا، اور

اس حد تک اہتمام کیا تھا کہ کوئی تکلیف یا مصیبت کا منظر ان کی نظر سے نہ گزرے، چنانچہ قصہ مشہور ہے کہ انھوں نے ایک بار ایک غریب اور مصیبت زدہ آدمی نیز ایک مردے کو دیکھا جس کا ان کے دل و دماغ پر بڑا گہرا اثر پڑا۔ اس طرح دنیاوی زندگی کو اس کے حقیقی رنگ میں دیکھ لینے کے بعد گوتم جیسا حساس شہزادہ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں رہا، اور اس جستجو میں پڑ گیا کہ آخر یہ دنیا کیا ہے، موت و حیات سے اس کا کیا تعلق ہے، غم کی بنیاد کیا ہے، اس کے بعد سے ان کو محل میں چین سے زندگی گزارنا مشکل ہو گیا، تمام عیش و عشرت کو خیرباد کہدیا، حتی کہ ان کی حسین اور نوجوان بیوی بھی۔ جس سے وہ بڑی محبت کرتے تھے۔ ان کے دماغ سے انسانی مصیبت کی فکر دور نہ کر سکی۔ رفتہ رفتہ ان کے دل میں یہ خیال جڑ پکڑنے لگا کہ دنیا کو ان مصیبتوں سے نجات دلانا چاہئے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ اس ذہنی اذیت کو برداشت نہیں کر سکے، مرض بڑھتا اور انھوں نے موت کے وجود کا پتہ لگانے کے لیے دنیا کو خیرباد کہنے کی ٹھان لی، اور ایک دن ایسا آیا کہ رات کی خاموشی میں محل اور اپنے بیوی بچہ کو چھوڑ کر صحرا کی طرف نکل پڑے تاکہ جو سوالات ان کے دل میں کھٹک رہے تھے، ان کا حل تلاش کریں۔

اس زمانے میں لوگ علم اور معرفت حاصل کرنے کے لیے تپسیہ کیا کرتے تھے، یا سنیاس لیا کرتے تھے، انھوں نے بھی اسی راہ کو اپنایا، دو عالموں کی خدمت میں زندگی گذارنے لگے لیکن کتابی علم ان کی ذہنی کشمکش کو نہیں مٹا سکا، اس کے بعد ریاضت کا راستہ اختیار کیا، بھوکے رہ کر دھیان و گیان میں لگ گئے، لیکن ان کی یہ چھ سالہ ریاضت بھی لاحاصل رہی اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا، ہمت نہیں ہاری، سانس روکی، گوشت سکھایا، سوکھ کر کانٹا ہو گئے، مگر ضمیر روشن نہیں ہوا، آخر کار کئی برس بعد گیا میں ایک درخت کے نیچے وہ بیٹھے ہوئے تھے، کہ ان کا ضمیر روشن ہوا، اور انھیں نروان یعنی ان کے گیان کو روشنی ملی، اور وہ

سب کچھ حاصل ہوگیا، جس کی تلاش میں وہ سرگرداں تھے، اس گیان کو "بدھیتر" بھی کہتے ہیں اور وہ اسی دن سے گوتم بدھ کہلانے لگے، جس درخت کے نیچے وہ بیٹھے ہوئے تھے، وہ "بودھی ورکش" کے نام سے مشہور ہوا۔ کاشی کے قدیم شہر سارناتھ میں بدھ نے اپنی تعلیمات کی تبلیغ شروع کی، دیوتاؤں کے نام پر کی جانے والی قربانیوں کی مذمت کی اور اس بات پر زور دیا کہ اگر قربانی کرنی ہی ہے تو انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے غصے، حسد اور خواہشات کو قربان کرے۔ نروان یعنی معرفت حاصل کرنے والی رات کو ان پر یہ منکشف ہوا کہ غم سے نجات حاصل کرنا ہی زندگی کا مقصد اور عمل ہے، اس کے لیے انھوں نے "علت و معلول" کی تشریح کی اور اس کی بنا پر انھیں وہ چیز حاصل ہوئی، جو "بدھی ازم" کی بنیاد ہے، بدھی ازم کے فلسفہ کی تشریح کے لیے خود گوتم بدھ نے مثبت و منفی طریقہ اپنایا کیا اور کہا کہ "پیدائش، ضعیفی، بیماری، دکھ اور عیبوں کا مجموعہ ہوتے ہوئے اور ان باتوں کا شکار جو بھی ہیں، ان کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے میں نے اس کی تلاش شروع کی، جو کہ غیر مخلوق، غیر تغیر پذیر، زندگی، بے غم، بے عیب، اور ہر پابندی سے آزاد و محفوظ ہے، یعنی نروان اور میں نے اس کو پالیا۔"

برہمنوں کے زور کی وجہ سے بدھ کی تعلیمات عرصہ تک ہندوستان میں مقبول نہیں ہوسکیں، لیکن رفتہ رفتہ دنیا میں پھیلتی گئیں، آج ہندوستان میں بدھ کی تعلیمات معدوم ہوگئی ہیں لیکن اب بھی اس کے پیرو اور مقلدین دنیا میں سب سے زیادہ ہیں، خاص طور پر مغربی ایشیا کو چھوڑ کر ایشیا کے پورے برِ اعظم میں ان کے ماننے والوں کی تعداد زیادہ ہے، اس کے بعد عیسائیت، اسلام اور ہندو مت کا نمبر آتا ہے۔

بدھ نے انسانی زندگی میں عقل ہی کو سب سے بڑی اہمیت دی ہے، ان کا قول ہے کہ کوئی کام یوں ہی آنکھ بند کر کے نہ کرو بلکہ سوچ سمجھ کر کرو، جو سچ ہے، وہی مانو اور بڑی بات بھی اتنی ہی مانو جتنی کہ تمھاری سمجھ میں آئے اور تمھاری عقل کی کسوٹی پر پوری اترے۔" یہ بات کہہ کر

بدھ نے عقل کے دروازے سب پر کھول دیے، عورتیں اور شودر بھی ان کے گیان سے فیضیاب ہونے لگے، انھوں نے کٹر پن کی سخت مذمت کی، اور سکھایا کہ انسان کو ہٹ دھرمی کے بجائے دوسروں کی باتوں کی بھی قدر کرنی چاہیئے، ان کا پیغام امن اور شانتی کا پیغام ہے، اور اس کی بنیاد ان اصولوں پر مبنی ہے، جو انسانیت کو ذہنی اور روحانی سکون بخشتے ہیں۔

گوتم بدھ اس امر پر سب سے زیادہ زور دیتے تھے کہ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں وہ اسباب و علل کے ماتحت وجود میں آئی ہیں، اور ہر چیز، ہر لمحہ ایک غیر محسوس اور نامعلوم طریقے پر بدلتی رہی ہے، وہ جنت اور جہنم کو نہیں مانتے تھے، لیکن اس بات کو تسلیم کرتے تھے، کہ ایسی دنیائیں ہیں جہاں "دیوتا" رہتے ہیں، مگر ان کے خیال میں ان دیوتاؤں کی زندگیاں بھی اسی حد تک مادی یا غیر مادی ہوسکتی ہیں، جس حد تک انھوں نے پہلے جنم میں نیکیاں کی ہیں، ان کا خیال ہے کہ دیوتا بھی انسانوں کی طرح سے مرجاتے ہیں، اور ان کی دنیائیں بھی، ان ہی کے ساتھ ختم ہوجاتی ہیں، ان کا خیال تھا، کہ انقلابات ہوتے رہتے ہیں، اور ان کے بننے اور بگڑنے کا ایک دور مسلسل ہے، جسکی ابتدا اور انتہا انسانی علم سے باہر ہے، ترکیب و تحلیل کا قانون عام ہے، اور اس سے انسان ہو، یا دیوتا کوئی بھی بری نہیں ہے، وہ عناصر جن کی ترکیب سے ایک ذی جس وجود بنا ہو اس کی تحلیل ایک نہ ایک دن ضروری ہے، اور یہ انسان کی جہالت اور خود فریبی ہے کہ وہ اپنے آپ کو عالم کی ساری چیزوں سے الگ تھلگ اور موجود بالذات سمجھتا ہے،

کوئی شخص اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ دنیا میں غم ہے، لیکن ہر شخص یہی سوچتا ہے کہ اس کا غم کیوں کر دور ہوگا، نتیجہ کے طور پر ہر کوئی دوسرے کو تباہ کر کے خود کو سکھی بنانا چاہتا ہے، لیکن گوتم بدھ نے سب سے پہلے اس خیال کا انکشاف کیا کہ غم کا حقیقی سبب، روح یا فطرت نہیں بلکہ اس کا دوسرا نام انسانی تشنگی یا خواہشات ہے، خواہشات کی وجہ سے ہی غم پیدا

ہوتا ہے، خواہشات کہاں سے آئیں، یہ سوال بے معنی ہے، جب تک خواہشات ہیں تب تک غم پیدا ہوتا رہے گا۔ یہ ایک بنیادی حقیقت ہے، اس لیے خواہشات پر قابو پانا چاہیے۔

ایک دفعہ بھکشوؤں کو مخاطب کرتے ہوئے گوتم بدھ نے فرمایا تھا کہ "جو ایسا کہتے ہیں، اور مانتے ہیں کہ انسان جو بھی سکھ دکھ اٹھاتا ہے، وہ سب خدا کی دین ہے، ایسے لوگوں سے میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ ان کا عقیدہ ہے، اور جب وہ ہاں کہتے ہیں تو میں ان سے دریافت کرتا ہوں کہ یہ جو تم چور، قاتل، بدمعاش، دروغ گو، چغل خور اور فضول گوئی کرنے والے، دوسروں کی دولت پر نظر رکھنے والے حاسد اور بدچشم بن گئے ہو تو کیا، خدا نے تمھیں ایسا بنایا ہے، اگر اسے سچ مان لیا جائے کہ یہ سب خدا کی دین ہے تو پھر نیک اعمال کے تئیں لگن اور حوصلہ نہیں رہے گا، اور یہ بھی سمجھ میں نہیں آئے گا کہ فلاں کام کرنا چاہیے یا فلاں نہیں کرنا چاہیے، اس لیے بنیادی حقیقت یہ ہے کہ انسان خود اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اور اپنی غلطی کو خدا کے سر منڈھتا ہے۔"

یہاں پر یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ گوتم بدھ نے محض علم الحقائق کے ذریعہ مکتی یا نجات حاصل کرنے کے لیے گھربار نہیں چھوڑا تھا، اپنے پڑوسیوں پر ہتھیار اٹھانا انھیں اچھا نہیں لگا، اور ان کے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہوا کہ کیا ہتھیاروں کے بغیر باہمی دوستی اور رفاقت کی بنیادوں پر کوئی معاشرہ کھڑا نہیں کیا جا سکتا، یہی بنیادی فلسفہ تھا، جس کیلئے انھوں نے گھربار چھوڑ کر تپسیہ شروع کی اور جب دیکھا کہ تپسیہ سے کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے، تو اسے تیاگ کر ایک ایسا راستہ اپنایا جو امن اور آشتی کا راستہ تھا، انسانی علم و فہم کا راستہ تھا، جس نے بدھ کی زبان سے یہ کہلوایا کہ "مصیبت میں میرے اعمال ہی میرے مونس و غم خوار ہوں گے، میرے اعمال ہی میرے محافظ ہیں، اور جو نیک و بد اعمال مجھ سے سرزد ہوں گے،

ان کے پیچھے میں جوابدہ ہوں گا، کیونکہ ایسے غور و فکر سے جسم زبان اور ذہن سے ہونے والے اعمال بد ختم ہو جائیں گے، انسان کو ہمت و استقلال سے نیک اعمال انجام دینے چاہئیں اس سلسلے میں "دھمپد" کا ایک اشلوک قابل غور ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ "انسان کو نیک کام کرنے میں جلدی کرنی چاہیے تاکہ گناہوں سے رہائی حاصل ہو سکے، کیونکہ سست روی سے نیک کام کرنے والے کا دل گناہ پسند ہو جاتا ہے۔"

گوتم بدھ نے (۳۵) سال میں نروان حاصل کیا اور (۴۵) سال تک اس کی تبلیغ کی اور (۴۸۳) قبل مسیح میں ان کا انتقال ہوا، انھوں نے اپنی زندگی میں...... نہ کوئی مندر تعمیر کروایا، اور نہ کوئی خانقاہ، اور نہ ہی کوئی ملک فتح کیا، اور نہ کوئی حکومت قائم کی، بلکہ تاج و تخت کو ٹھکرا کر سنیاس لے لیا، اور لوگوں کے دل جیتے، انسانیت کی خدمت کی، اور دنیا کو اپنے خیال میں سچائی کا راستہ دکھایا، آج بھی ان کی تعلیمات اور ان کا نام زندہ ہے۔

مطبوعاتِ جدیدہ

معیار و اقدار:- از ڈاکٹر عبدالمغنی، تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت وطباعت عمدہ، صفحات ۲۳۰، مجلد مع گرد پوش، قیمت پچیس روپیہ، پتے (۱) محمد اسلام، چتکوہرہ (نز درروڈ نمبر ۳۶) ڈاکخانہ انیس آباد، پٹنہ (۲) کتاب منزل، سبزی باغ، پٹنہ،

پروفیسر کلیم الدین احمد مرحوم بہار میں تنقید نگاری کے امام سمجھے جاتے تھے، مگر اب یہ امامت جناب ڈاکٹر عبدالمغنی کے یہاں منتقل ہوگئی ہے، گو ان کی تنقید نگاری کا فن پروفیسر کلیم الدین احمد سے مختلف ہے، ان کے یہاں سلامت روی، اعتدال پسندی اور شائستگی تحریر کے ساتھ ہی مخصوص ادبی و تنقیدی نظریہ بھی ہے، جس کی وضاحت انھوں نے زیر نظر مجموعہ کے دیباچہ میں اس طرح کی ہے کہ تنقید نکتہ چینی اور عیب جوئی کے بجائے کسی چیز کی صحیح قدر و قیمت معین کرنے کا نام ہے، ان کا نظریہ تنقید فکری طور پر دینی اور عملی طور پر اخلاقی ہے، وہ پچیس برس تک مسلسل ادبی مسائل پر غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ادب کی عظمت لازماً کسی اخلاقی معیار سے دریافت کی جائے گی اور اس معیار کی تشکیل ایک دینی نقطہ نظر سے ہوگی، یہ زیر نظر کتاب مصنف کے تنقیدی مضامین کا چوتھا مجموعہ ہے، اس کے پندرہ مضامین میں انھوں نے اپنے موضوعاتِ مطالعہ کی حقیقت کا سراغ تو خالص ادبی و فنی اور بالکل معروضی نقطہ نظر سے لگایا ہے، مگر ان کی عظمت کی پیمائش اپنے خاص دینی و اخلاقی نظریے کے مطابق کی ہے، پہلے مضمون "فن اور ناقد" میں فن اور تنقید کو یکساں درجہ کی چیز بتانے کے ساتھ ہی ناقد کی ضرورت و اہمیت اور اس کے فرائض کی وضاحت کی ہے اور اس کے اور صاحب فن کے

درمیان برابری اور برادری کا رشتہ دکھایا ہے، اور اس کے لئے نظر کے ساتھ نظریہ اور کسی نظامِ فکر سے وابستگی کو ضروری قرار دیا ہے، جو تنقید اور فن دونوں کے لئے مفید ہے، مصنف اقبال کے پرستار بھی ہیں، اور ان کا مطالعہ اقبال وسیع اور گہرا بھی ہے، اس مجموعہ کا دوسرا مضمون "اقبال اور نئی دنیا" خاصے کی چیز ہے، اس مجموعہ کے مضامین کی دو نوعیتیں ہیں، پہلی نوعیت کے مضامین میں ڈاکٹر عابد حسین، آغا حشر، فیض احمد فیض، ڈاکٹر یوسف حسین خاں، اختر اورینوی، پروفیسر محمد محسن ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی اور غیاث احمد گدی کے متنوع ادبی و فنی کارناموں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے، مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے ان کے ساتھ اپنے اختلاف کا برملا اظہار بلکہ ان کی تردید بھی کی ہے، اور ان کی خوبیوں کی تشریح بلکہ ان کے بعض نمونوں کو ادب العالیہ کی روایات کا جز بھی قرار دیا ہے، اور اسی حیثیت سے تاریخ ادب میں ان کا درجہ متعین کیا ہے، وہ ڈاکٹر سید عابد حسین کی ادبی و تنقیدی بصیرت، علمی گہرائی، اردو پر قدرت وغیرہ کا اعتراف کرنے کے بعد انھیں باضابطہ مفکر قرار دیتے ہیں، اور ان کی کتابوں "قومی تہذیب کا مسئلہ" اور "ہندوستانی مسلمان آئینہ ایام میں" کو ان کا شاہکار بتاتے ہیں مگر انہی کتابوں کا دیدہ وری سے جائزہ لیکر ڈاکٹر صاحب کی بعض فکری خامیوں کی جس مبصرانہ انداز سے نشاندہی کی ہے اس سے لائق مصنف کی تنقیدی بصیرت اور ملک و ملت کے مسائل کے بارہ میں سنجیدہ اور سلجھی فکر و رائے کا پتہ چلتا ہے،

اسی نوعیت کا اہم مضمون "یوسف حسین خاں عالم یا ناقد" بھی ہے، اس میں عالم و محقق اور ناقد کے دائرہ عمل، طریق کار اور الگ الگ فرائض بتانے کے بعد ڈاکٹر صاحب کو ایک بڑا عالم و محقق بتایا ہے اور اس کے ثبوت میں ان کی پانچ اہم عالمانہ تصنیفات کے فنی معلومات اور علمی اطلاعات کا ذکر کیا ہے، مگر وہ انھیں ناقد نہیں مانتے اس سلسلہ میں ان کی بعض تصنیفات کا گہرا تنقیدی جائزہ لیکر اس پہلو سے ان کے نقص و کمی کا ذکر کیا ہے، اسی انداز سے فیض کی شاعری، اختر اورینوی کی تنقید نگاری پروفیسر محمد محسن کی نفسیاتی تنقید نگاری، خلیل الرحمن اعظمی کی ادبی حیثیت اور غیاث احمد گدی کی افسانہ نگاری پر سیر حاصل

تبصرہ کرکے ان کی قدر و عظمت کا اعتراف بھی کیا ہے، اور ان کے ناقص انداز نظر پر رد و کد بھی کی ہے۔ دوسری نوعیت کے مضامین میں اصناف ادب پر بحث و گفتگو کی ہے، اس سلسلہ کے دو مضامین افسانے کے بارے میں ہیں، ایک میں اردو افسانے میں ہیئتی تجربے پر گفتگو کی ہے، اس میں تجربے کا مطلب اور روایت سے اس کا تعلق دکھانے کے بعد افسانے میں ہیئتی تجربوں کی موجودہ کوششوں کا جائزہ لیکر ان کے نقائص دکھائے ہیں، اور تلافی کی صورت بھی بتائی ہے، دوسرے مضمون "ہم عصر افسانہ میں اقدار کی اہمیت" میں بھی پہلے اقدار کا مفہوم واضح کیا ہے، یہ بحث بجائے خود بہت دیدہ ریزی اور بڑی دقت نظر سے کی گئی ہے، اس کے بعد موجودہ افسانوں کی ہیئت و اسلوب پر اقدار کے انتشار و بحران کے اثرات دکھائے ہیں، جن سے افسانے کی افسانویت تک خطرے میں پڑگئی ہے، شاعری سے متعلق بھی دو مضامین ہیں "غزل۔ مہذب ترین صنف شاعری" میں اس کا جواب دیا ہے، کہ "وہ ایک نیم وحشی صنف شاعری ہے"، اس میں اس کی ہیئت، موضوع اور اسلوب وغیرہ کے علاوہ اردو غزل کی دین، اس کے تہذیبی کردار، اسکی جمالیاتی و تہذیبی قوت وغیرہ پر بحث کرکے یہ بالکل صحیح لکھا ہے کہ "شاعری ادب کا امتیازی سرمایہ ہے، اور شاعری کا بنیادی سرمایہ غزل ہے۔ . . . اس طرح وہ فکری و فنی اعتبار سے مہذب ترین صنف شاعری ہے"، اس سلسلے کے ایک اور مضمون میں نثری نظم اور آزاد غزل پر بحث کرکے دونوں کو اردو شاعری کی روایت اور مزاج کے خلاف بتایا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ اجتہاد و اختراع کے بجائے تقلید و نقالی ہے، جو غلامانہ ذہنیت کی غماز ہے، مصنف کے تنقیدی بحث و تجزیے انکے اخذ کردہ نتائج اور کہیں کہیں لب و لہجہ سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، مگر انکا ہر مضمون محنت، مطالعہ، غور و فکر اور دقت نظر کا نتیجہ اور بڑی قوت و اعتماد کے ساتھ لکھا گیا ہے، انھوں نے اپنے خیالات کو بہت مربوط اور منطقیانہ انداز میں بڑے سلیقہ سے پیش کیا ہے، ان کے پہلے مجموعوں کی طرح یہ مجموعہ بھی اردو کے تنقیدی ذخیرہ میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔

اسلام مکمل دین، مستقل تہذیب:۔ مرتبہ جناب مولوی محمد عبید اللہ الاسعدی صاحب

تقطیع متوسط کاغذ کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۔۔۔ ۴ مع رنگین کور، قیمت ۲۵ روپے،

ناشر مکتبہ رحمانیہ مہتورا، باندہ، یوپی۔

اسلام ایک مکمل اور جامع دین ہے، اس نے ایمانیات و عقائد، اعمال و عبادات، اخلاق و معاملات اور سیاست و تمدن ہر ایک کے بارے میں احکام و ہدایات دیئے ہیں، اس کتاب میں عام فہم انداز میں بہت اختصار کے ساتھ انہی امور و مسائل کے متعلق اسلامی تعلیمات پیش کی گئی ہیں، چنانچہ پہلے ایمان کا مطلب تحریر کیا ہے اور توحید، ملائکہ، وحی، رسالت، تقدیر اور آخرت پر بحث کی ہے، پھر ارکان عبادات کے عنوان کے تحت شہادتین کے اقرار، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کا ذکر کیا ہے، اور علم کی اہمیت واضح کرنے کے بعد مسلمانوں کے مخصوص دینی علوم تفسیر، حدیث، کلام، فقہ، تصوف و اخلاق، ادب و عربیت اور تاریخ و سیر کے علاوہ عام علوم اور صنعت و حرفت سے مسلمانوں کی دلچسپی دکھائی ہے، اسلام میں اجتماعیت کی اہمیت اسکے سیاسی نظام، جہاد، عدل، معاشرتی و عائلی، اخلاقی و معاشی نظام اور تعزیرات وغیرہ پر گفتگو کی ہے، اور کائنات و نظام کائنات، مساوات، آزادی اور عورت کے بارہ میں اسلامی تصورات بیان کئے ہیں، اسلامی قوانین کی بنیادوں کتاب و سنت اور اجماع و قیاس کا ذکر اور خانہ کعبہ، مسجد نبوی اور بیت المقدس کے متعلق کچھ معلومات بھی درج ہیں آخر میں اسلام کے ایک معتدل و متوازن مذہب ہونے اور اسکے بارے میں غیر مسلموں کی بعض رائیں نقل کی ہیں، وحی کی بحث میں آسمانی کتابوں اور رسالت کے ضمن میں مشہور انبیاء کے مختصر حالات دیئے گئے ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی اولاد و ازواج، متعلقین و اعزہ اور صحابہ کرام کا بھی ذکر ہے، آخرت کی بحث میں عالم برزخ اور جنت و دوزخ کا تذکرہ ہے، اہم مفسرین، محدثین اور فقہا کا تذکرہ اور مشہور کلامی و فقہی مذاہب کی بحث بھی کی ہے، اور اسلام کے سیاسی نظام کے ضمن میں مسلمانوں کی قدیم اہم حکومتوں اور موجودہ دور کی انکی حکومتوں کا تذکرہ کیا ہے، مگر کہیں کہیں زیادہ اختصار سے کام لیا گیا ہے جیسے عبادات، معاشرت، اخلاق اور اسلام کے معاشی و عائلی نظام پر بہت مختصر بحث و گفتگو کی ہے اور آخرت کے ضمن میں موت اور تجہیز و تکفین کا تذکرہ رہ گیا ہے بعض غیر ضروری بحثیں بھی آگئی ہیں مثلاً آنحضرت کے تذکرہ میں آپکے عزیزوں اور صحابہ کرام کا تذکرہ، اس کتاب کا علمی و تحقیقی پایہ گو بلند نہیں ہے مگر مصنف نے اس میں بہت

مفید باتیں جمع کر دی ہیں، یہ عام لوگوں کے مطالعہ کے لائق ہے، انھوں نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ انھیں پڑھنے سے زیادہ لکھنے لکھانے کا خبط ہے، یہ خبط دور کر کے پڑھنے پڑھانے پر زیادہ توجہ مبذول کریں تو انکی تصنیفی زندگی بہتر ہو سکتی ہے۔

انتخاب غزلیات ثاقب، انتخاب مومن، انتخاب خواجہ وزیر، انتخاب غزلیات برق، انتخاب کلام مونس، انتخاب میر سوز، انتخاب غزلیات قائم چاندپوری، مرتبہ۔ ڈاکٹر منظر عباس نقوی، ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی، شاہ محمد باقر، آغا محمد باقر، سید سلیمان حسین، غلام حسین، ڈاکٹر انیس اشفاق، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، صفحات بالترتیب ۶۴، ۱۲۶، ۱۲۰، ۱۵۰، ۱۰۶، ۸۸، ۱۳۲، قیمت بالترتیب ۳ روپیہ پچاس پیسے، ۴ روپیے، ۵ روپیے، ۶ روپیے ۵۰ پیسے، ۴ روپیے ۵۰ پیسے، ۶ روپیے، ۵ روپیے پچاس، ناشر اتر پردیش اردو اکاڈمی، طہرہ ہاؤس، قیصر باغ، لکھنؤ۔

اتر پردیش اردو اکاڈمی نے اردو کے معماروں اور اساتذہ فن کے منتخب کلام کی اشاعت کا مفید پروگرام بنایا ہے، یہ ساتوں کتابیں اسی پروگرام کے ماتحت شائع کی گئی ہیں، جو اردو کے باکمال شاعروں کے کلام کا انتخاب ہیں، یہ انتخاب مختلف یونیورسٹیوں کے اردو اساتذہ نے اپنے ذوق کے مطابق کیا ہے، ہر کتاب کے شروع میں فاضل مرتبین کے قلم سے مختصر مقدمے بھی ہیں، منظر عباس استاذ شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ثاقب کے کلام کا انتخاب بڑی خوش مذاقی اور اچھے ڈھنگ سے کیا ہے، انھوں نے ثاقب کا اچھا تعارف بھی لکھا ہے، اور ان کے کلام کی خصوصیات پر بھی سیر حاصل بحث کر کے انکی شاعرانہ عظمت واضح کی ہے اور لکھا ہے کہ "یہ زبان میر اور تخیل غالب کی نمائندگی کرتے تھے"، مقدمہ سے انکی ادبی ژرف نگاہی اور بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے، ڈاکٹر ظفر صدیقی استاذ شعبہ اردو بنارس ہندو یونیورسٹی کا مقدمہ بھی محنت و مطالعہ کا نتیجہ ہے، انھوں نے حکیم مومن خاں مومن کے مختلف اصناف کلام کا انتخاب کیا ہے، جناب شاہ محمد باقر اور آغا محمد باقر نے ناسخ کے دو ممتاز شاگردوں اور دبستان لکھنؤ کے باکمال شاعروں خواجہ محمد وزیر اور مرزا محمد رضا برق کے کلام کا انتخاب کیا ہے اور دونوں نے انکے کلام کی خصوصیات پر بھی گفتگو کی ہے، اس سے لکھنؤی شاعری کے خاص رنگ کے علاوہ ان شعرا کے اپنے استاذ کے طرز کو فروغ دینے کی کوشش کا پتہ چلتا ہے، برق کے کلام کے محاسن کے ساتھ اس کے بعض معائب کا بھی تذکرہ آگیا ہے، ایک اور مجموعہ میں بھی دبستان لکھنؤ کے ایک صاحب کمال شاعر مرزا محمد تقی خاں مونس لکھنوی کی غزلوں اور رباعیات کا انتخاب کیا گیا ہے، اور مقدمہ میں ان کا مختصر حال اور شاعرانہ درجہ واضح کیا گیا ہے، دو مجموعے میر و مرزا کے معاصر دو باکمال شاعروں کے کلام کا انتخاب ہے، ایک میں میر سوز کے اور دوسرے میں سودا کے شاگرد اور منفرد طرز سخن کے مالک قائم چاندپوری کی غزلوں کا انتخاب دیا گیا ہے، اور مقدمہ میں انکے حالات وغیرہ کا ذکر ہے، مگر میر سوز کی شاعری پر بحث و تبصرہ مزید تفصیل و کاوش کا متقاضی تھا، اردو کے کلاسیکل شعرا کے انتخاب کلام کی اشاعت ایک مفید ادبی خدمت ہے جس کے لئے اتر پردیش اردو اکاڈمی مستحق ستائش ہے۔

"ض"

جلد ۱۳۴ ماہ صفر المظفر ۱۴۰۵ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۸۴ء عدد ۵

مضامین

شذرات

مقالات

وفیات